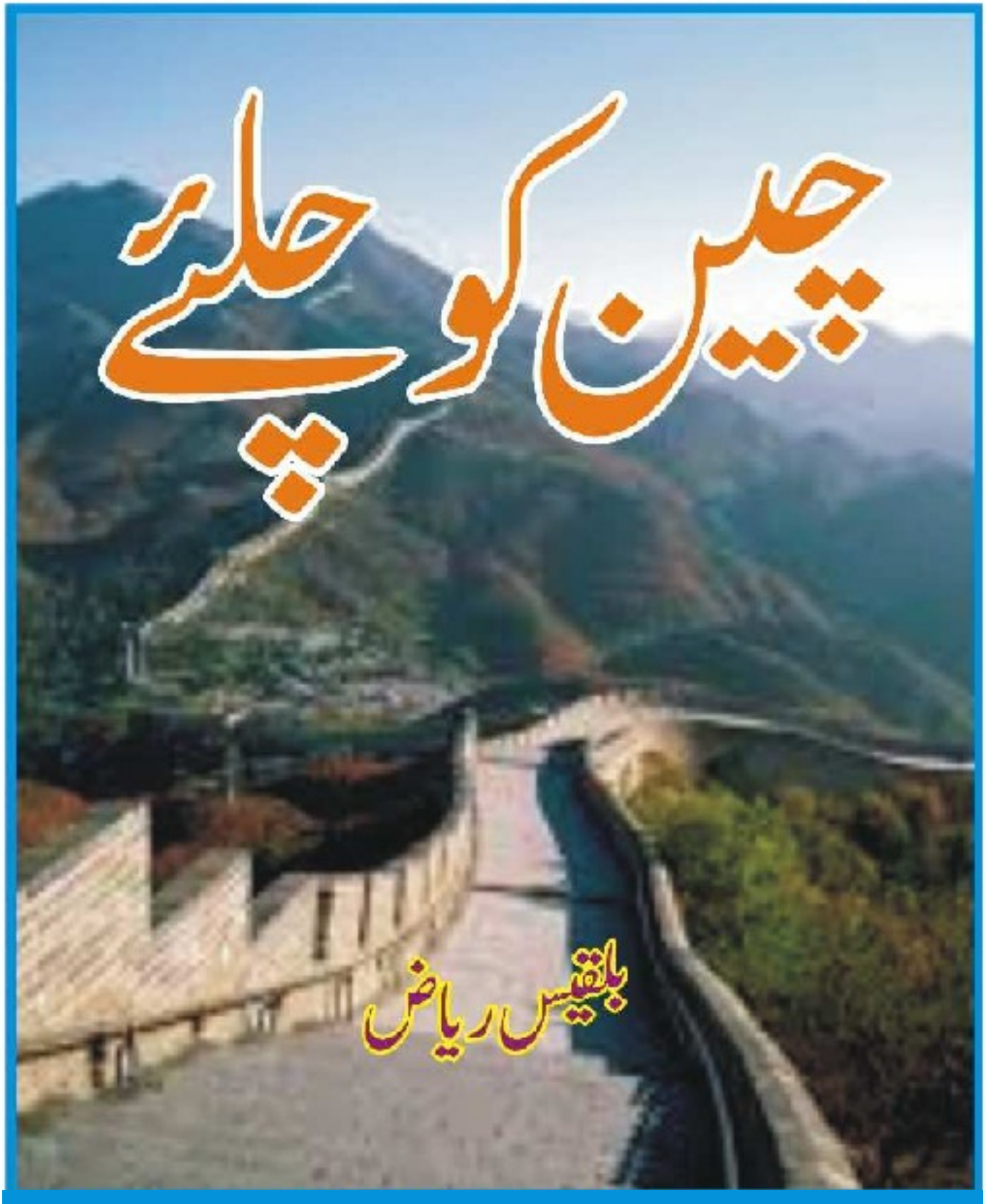
چین کو چلے
بلقیس ریاض

چین کو چلئے

(سفرنامہ)

بلقیس ریاض

چین کو چلئے

میں دنیا کے کافی ممالک کی سیر کر چکی ہوں۔ چین جانے کی تمنا تھی مگر موقع ہی نہیں ملا تھا کہ چین جایا جائے۔ ایک روز میں اسلام آباد اپنے گھر پہنچی ہی تھی کہ مجھے اطلاع ملی کہ چیف جسٹس ارشاد حسن خان نو آدمیوں کا وفد لے کر چائنہ جا رہے ہیں۔ جانے والوں کا نام مجھ تک پہنچا تو میں حیران رہ گئی۔ جسٹس افتخار شاہ جسٹس دیدار، جسٹس فاروق قاضی کے علاوہ سیکرٹری فقیر محمد کھوکھر اور میرے میاں کا نام بھی شامل تھا۔ ارشاد حسن کی اہلیہ بھی جا رہی تھیں..... سو مجھے بھی انہوں نے اپنے وفد میں شامل کر لیا۔

اس طرح چین کا دورہ میرے مقدر میں تھا۔ دو روز پہلے چین کے کونسلر نے چائنہ جانے والوں کے لیے ایک لنچ کا انتظام کیا اور اسلام آباد کے ریڈ لوف چائنیز ریستوران میں ہم سب کو بلا کر ہماری عزت افزائی کی۔ جمعہ کا روز تھا۔ ٹھیک بارہ بجے ریڈ لوف چائنیز ریستوران جو کہ ایف ۲ / ۷ میں واقع تھا، میں جب وہاں پہنچی تو ان کے کچھ مہمان آ چکے تھے۔ چین کے کونسلر صاحب اور ان کی اہلیہ نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک چھوٹے سے ہال نما کمرے میں ہمیں لے گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد چیف جسٹس ارشاد حسن خان اور ان کی اہلیہ بھی آ گئیں۔ اس سارے وفد میں ہم صرف دو خواتین چین کے لئے روانہ ہو رہی تھیں۔ باقی صاحبان کی اہلیہ ہمارے ہمراہ نہیں تھیں۔

اس چھوٹے سے ہال میں بڑی گول میز لگی ہوئی تھی ہر شخص کی کرسی کے قریب میز پر اس کے نام کا کارڈ رکھا ہوا تھا۔

کونسلر کی اہلیہ میرے اور پاکستان کے چیف جسٹس کی بیگم کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''انگریزی کے معاملے میں میرا تلفظ اتنا اچھا نہیں ہے آپ برا نہ محسوس کیجئے گا۔''

میں نے اس خاتون کی جانب دیکھا جو ٹراوزر کے اوپر چھوٹا سا ٹاپ پہنے ہوئے تھی، بات بات پر مسکراتی درمیانی عمر کی خاتون بہت مہمان نواز دکھائی دے رہی تھی۔ میز کے درمیان بڑا سا پھولوں کا گلدستہ اور اس کے آس پاس میٹھے کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی پیسٹریاں، کیک اور دیگر میٹھی اشیاء تھیں۔ اس ریستوران میں زیادہ تر افغانی ویٹر دکھائی دے رہے تھے کونسل جنرل چیف جسٹس آف پاکستان کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ گفتگو بھی ہو رہی تھی اور ویٹروں نے سروس دینی شروع کر دی تھی۔ سب سے پہلے وہ

ثابت سرخ مرچ اپی ٹائیز کے طور پر سرو کرنے لگے۔ سب نے مرچیں پلیٹوں میں ڈالنی شروع کر دیں تھیں۔ جونہی میں نے وہ مرچیں پلیٹ میں ڈالیں۔ تو بے خیالی میں آدھی چمچ ایک دم منہ میں ڈالی تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ مرچوں نے اپنا کام دیکھا دیا تھا۔ زبان اور گلے پر جلن سی محسوس ہو رہی تھی۔ دوسرا اپی ٹائیز لے کر آیا تو میں نے لینے سے انکار کر دیا تو کونسلر صاحب کی اہلیہ نے کہا۔

''آپ اس کو ضرور چکھیں۔ یہ چائینز کھانا اصل چائنہ کے طرز پر تیار کیا گیا ہے''..... پاکستان میں جو چائینز کھانا ملتا ہے اس کو پاکستان کے ٹیسٹ کے مطابق تیار کیا جاتا ہے..... میں نے ان کی باتیں سن کر دوسری ڈش جو کہ پتلی پتلی سویاں تھیں..... لے لیں اور کن اکھیوں سے نادرہ بھابھی کو دیکھا تو وہ بھی مجبوراً اسے تناول کر رہی تھیں..... میرے قریب بلوچستان کے سپریم کوٹ کے جج چوہدری افتخار صاحب بیٹھے ہوئے تھے..... وہ کھانا رغبت سے کھاتے ہوئے میرے پوچھنے پر بتانے لگے میں مرچوں والا کھانا کھا لیتا ہوں..... باری باری گھاس پھوس والی ڈشیز آتی رہیں اور میں زہر مار کرتی رہی..... جب بھی کونسلر صاحب کی اہلیہ پوچھتی تو میں ہنس کر جواب دیتی بہت اچھا کھانا ہے۔

''واقعی ہی مجھے بھی بہت پسند آ رہا ہے'' وہ رغبت سے کھاتے ہوئے مجھ سے پوچھنے لگی۔

''کتنے بچے ہیں۔''

''تین..... ایک بیٹا دو بیٹیاں..... بیٹا cosovo میں ''اور بیٹیاں امریکہ''..... وہ جواب دیتے ہوئے گویا ہوئیں۔

میرے دو بیٹے جو امریکہ میں سیٹل ہیں ان کی شادیاں ہو چکی ہیں..... اپنے گھروں میں خوش باش ہیں..... بیٹے تو اپنے ہوتے ہیں اور بہوئیں دوسرے گھروں سے آتی ہیں۔ وہ آپ کے اتنے قریب نہیں ہوتیں..... جتنی کے بیٹیاں والدین کے قریب ہوتی ہیں..... اگر بیٹا اچھا ہے تو بہو بھی اچھی ہو جاتی ہے۔''

''آپ کی بہوئیں کیسی ہیں۔''

''بس ٹھیک ہیں'' مجھ سے دور رہتی ہیں جتنا خیال کرتی ہوں اتنا وہ بھی کر لیتی ہیں..... مگر آپ لوگوں کا سسٹم بہت اچھا ہے .....ایک ہی گھر میں سب لوگ رہتے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے..... کافی خاندان ایک ہی چھت تلے زندگی بسر کرتے ہیں مگر ہم لوگوں میں بھی بچے روزگار کے چکر میں والدین سے جدا ہو جاتے ہیں اور کافی بچے پاکستانی والدین کے ساتھ نہیں رہتے ہیں..... جہاں جہاں کا دانہ پانی ہوتا ہے قسمت انہیں وہاں وہاں لے جاتی ہے۔''

ایک گھنٹہ ہو چلا تھا..... کھانے کے لیے دھڑا دھڑ اپی ٹائنز سرو ہو رہے تھے..... میں زیادہ تر اس خاتون کو باتوں میں مصروف کر رہی تھی مجھے اندیشہ تھا کہ اگر باتیں نہ کروں گی تو بالکل پاکستانی خواتین کی طرح وہ بھی اپی ٹائنز کو کھانے کے لیے مجبور کرتی .....ایک گھنٹے تک تو میرے خیال میں تو یہی تھا کہ یہی کھانا ہے..... مگر گھنٹہ گزرنے کے بعد اصل کھانا شروع ہو گیا تھا۔

''کچھ کھایئے ناں''..... میں نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میرا تو پیٹ بہت بھر گیا ہے۔''

''ابھی تو کھانا شروع ہوا ہے برائے کرم کھانا ضرور کھائیں ورنہ ہمیں افسوس ہوگا۔''

''پیٹ میں جگہ ہی نہیں ہے۔''

آپ کا معدہ اتنا چھوٹا ہے..... کمال ہے..... اتنا عمدہ کھانا ہے..... فش۔چکن۔نوڈلز اور چاول پیش کئے جانے لگے تھے..... میں سوچ رہی تھی کہ یہ لوگ بھی لبنانیوں کی طرح گھنٹوں کھانا کھاتے رہتے ہیں..... پورے دو گھنٹے ہونے کو تھے کھانے کا اختتام نہیں ہو رہا تھا اس خاتون کے علاوہ دو چائنیز خواتین اور بھی تھیں وہ بھی خراماں خراماں کھانے میں مصروف تھیں۔ ہمارے چیف جسٹس ارشاد حسن خان کونسلر کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کبھی کبھی قہقہے بھی لگا دیتے تھے..... جوان کا قہقہوں کا جواب قہقہوں سے ہی دیتا تھا..... اچھی خاصی گفتگو ہو رہی تھی۔

خدا خدا کر کے کھانا ختم ہوا تو فروٹ آنا شروع ہو گیا تھا..... چینی کونسلر کی اہلیہ پیسٹریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے اور نادرہ بھابھی کو اصرار کرنے لگی۔''پیسٹریاں بھی کھائیں۔''

''جی شکریہ فروٹ کھا لیتے ہیں۔''میں نے اور نادرہ بھابھی نے فروٹ اپنی اپنی پلیٹوں میں ڈال کر اسے مطمین کر دیا تھا۔

پھر اس کے بعد گرین ٹی پیش کی گئی تو اس کے ذائقہ کا بھی فرق تھا وہ تھوڑی سی کڑوی تھی..... لیکن اس خاتون کے خلوص اور محبت میں مٹھاس تھی۔وہ کڑوی گرین ٹی میں نے چپکے سے پی لی تھی۔

ہاتھ دھونے کے لیے جب باتھ روم میں جا رہی تھی تو غسل خانے کے باہر ایک ویٹر کھڑا تھا۔

''تم چین سے آئے ہو۔''

''آپ بوجھیں میں کہاں سے آیا ہوں''

''لگتے تو غیر ملکی ہو۔''

میں بیگم صاحبہ افغانی ہوں اور یہاں سروس کرلی ہے۔''

''تم اردو اچھی بول لیتے ہو۔''

''جی اردو کے علاوہ مجھے فرنچ اور انگریزی بھی آتی ہے میں نے مختلف کورس کئے ہیں..... یہ کھانا جو تھا' کیا چین میں ایسا کھانا ملتا ہے۔''

بیگم صاحبہ اس ریستوران کے مالک تمام مصالحے چین سے منگواتے ہیں۔ دیکھا نہیں۔ کتنا عمدہ ٹیسٹ تھا۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے ''ہونہہ'' کہا اور ہاتھ دھو کر دوبارہ کمرے میں پہنچی تو اس ریستوران کی منیجر سب سے مل کر کھانے کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ سب ہی اس کا دل بڑھانے کے لئے تعریف کر رہے تھے۔ فوٹو گرافر کو اپنے ہمراہ لائی تھی۔ وہ دھڑا دھڑ فوٹو میں کھینچ رہا تھا۔ پھر ایک سرخ رجسٹر آگے بڑھایا سب کو رائے لکھنے کے لیے کہا ہر ایک نے باری باری اپنی رائے دی اور دستخط کئے۔

وہ خاتون مجھے اپنے ریستوران کا کارڈ دیتے ہوئے دوبارہ آنے کے لیے کہنے لگی تو ہم نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''ضرور کوشش کریں گے آنے کے لیے'' اس طرح وہاں سے نکل کر ایک بار پھر اوپر کی اسی لابی میں پہنچ گئے جہاں پر ہم سب اکٹھے ہوئے تھے کونسلر کی اہلیہ مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی ہم سے بغل گیر ہو رہی تھی..... میں نے بھی اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے دی تو اس نے باخوشی منظور کر لی۔

اتوار کو ہماری روانگی تھی۔ اچانک پروگرام بنا تھا سو میں تیاری میں مصروف ہو گئی تھی..... چینی کھانے کو مدنظر رکھتے ہوئے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ چین جا کر بھی اس طرح کا کھانا نہ کھانا پڑے مگر جو قسمت میں لکھا ہوا تھا وہی کھانے کے لیے ملنا تھا۔

پلک جھپکتے ہی اتوار کا روز آ گیا تھا۔ ستمبر ۲ کو ساڑھے دس بجے رات بذریعہ پی آئی اے جانا تھا..... سامان پہلے ہی پہنچ چکا تھا ہم نے آدھا گھنٹہ روانگی سے پہلے لاونج میں پہنچنا تھا۔

ساڑھے نو بجے کے قریب میں پی آئی اے اپنے میاں کے ساتھ پہنچ گئی تھی۔ وفد کے ممبران پہنچ چکے تھے صرف چیف جسٹس آف پاکستان کا انتظار تھا چین کے کونسلر اور ان کی اہلیہ ہمیں خدا حافظ کہنے کے لیے لاونج میں موجود تھیں..... نادرہ بھابھی بھی ارشاد صاحب کے ساتھ پہنچ گئیں..... چین کے کونسلر کی اہلیہ یہاں لاونج میں بھی ہمارے درمیان بیٹھی تھیں..... حسب معمول وہ خندہ پیشانی سے پیش آتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''خدا کرے آپ کا ٹرپ خاصا خوش گوار رہے..... انگریزی کے معاملے میں بہت poor ہوں۔'' میں نے کہا۔

آپ کی انگریزی جیسی بھی ہے مگر شخصیت کے معاملے میں آپ پوعر (poor) نہیں ہیں....... یہ سن کر اس کا شوہر مسکرانے لگا تھا...... روانگی کا وقت ہو چکا تھا۔

بورڈنگ پاس سب کے ہاتھوں میں تھے اور یہ چھوٹا سا قافلہ جہاز میں سوار ہو گیا تھا....... بہت عرصہ کے بعد میں پی آئی اے میں سفر کر رہی تھی۔ ورنہ تو باہر کی ایئر لائن پر جاتی رہی تھی میرے خیال سے سفر چھ گھنٹوں کا تھا مگر جونہی سنا کہ پانچ گھنٹوں میں ہم پہنچ جائیں گے تو خوشی ہونے لگی تھی۔

ہم سب ایک ہی چھوٹے سے علیحدہ کمرے میں بیٹھے تھے جسے اکسکلڈ ڈ کلاس کہتے ہیں....... سفر شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالٰی کا نام لیا جا رہا تھا....... یہ بات مجھے بہت اچھی لگی....... باہر کی ایئر لائن میں ایسی باتوں کی پروا نہیں کی جاتی۔

نادرہ بھابھی میرے قریب بیٹھی تھیں....... ارشاد حسن صاحب جہاز چلا ہی تھا کہ انہوں نے اپنے چھوٹے سے اٹیچی کے اوپر دو تین تکیے رکھ کر اپنے پاوں اس پر رکھ دیئے تھے....... اور کروٹ بدل کر اپنے آرام دہ بستر پر دراز ہو کر سو گئے تھے....... جہاز چل رہا تھا میں اس سفر کے بارے میں لکھنے لگی تھی....... میرے میاں دائیں جانب قریب ہی بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے....... ان کے ساتھ ہی دو سیٹوں پر افتخار چوہدری صاحب اور قاضی فاروق صاحب آپس میں بات چیت کر رہے تھے....... جسٹس دیدار صاحب ان سیٹوں کے دوسری جانب بیٹھے تھے اور فقیر کھوکھر اور فقیر حسین پیچھے بیٹھے تھے....... خلاف توقع جہاز میں خاموشی چھائی ہوئی تھی ایئر ہوسٹز بھی مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے جوسز پلا رہی تھیں....... اور تھوڑی دیر کے بعد کھانا سرو کرنا شروع کر دیا تھا۔

میں چین کے بارے میں سوچ رہی تھی نہ جانے وہ ملک کیسا ہوگا....... میرے لئے بالکل انجان ملک تھا۔ کوئی قیاس آرائی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مگر چین کا کھانا جو ریڈ روز ریستوران میں کھایا تھا تو کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید کھانے کے معاملے میں دشواری پیش نہ آئے....... سو تھوڑا بہت راشن اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔

وقت جہاز میں بیٹھے بیٹھے آہستہ آہستہ بیت رہا تھا....... میں اگلی نشستوں پر بیٹھی تھی....... ننھی منھی سکرین پر کوئی فلم چل رہی تھی۔ جہاز کا ماحول خلاف توقع بڑا ہی سازگار تھا...... شاید ایگزیکٹو کلاس تھی۔ کہ اتنی خاموشی تھی یا لوگ مہذب بیٹھے تھے۔

زندگی میں ہر طرح کا ماحول اور طرح طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے....... اور انہی لوگوں سے مل کر انسان کئی تجربوں سے گزرتا ہے....... ورنہ گھر بیٹھے بیٹھے کسی قسم کا تجربہ حاصل نہیں حاصل ہوتا سفر....... کبھی کبھی وسیلہ اے ظفر بن جاتا ہے

..... زمانہ استاد ہے اور آپ اس کے شاگرد..... زندگی میں کئی کٹھن راستوں سے گزرنا پڑتا ہے ہر وقت آپ کو راحت نصیب نہیں ہوتی..... راحت پانے کے لیے تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے..... میں جہاز میں سوچتے سوچتے اپنے آپ سے کہنے لگی۔

''سفر انجوائے کرنا چاہیئے ..... میں بھی زندگی کا سفر لے کر بیٹھ گئی ہوں۔''

آدھا سفر گزر چکا تھا میں نے بائیں جانب کی نشستوں کی طرف دیکھا تو ارشاد صاحب مسلسل سو رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد نادرہ بھابھی نے بھی اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں..... اور مجھے لکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ دائیں جانب میرے میاں اخبار پڑھنے میں مسلسل مصروف تھے جیسے کوئی امتحان پاس کرنا ہو اور ویسے بھی بیوی کے پاس چپ رہنا ہی اچھا ہوتا ہے اور نادرہ بھابھی کو سوتا دیکھ کر میرا بھی جی کرنے لگا تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لوں..... سو میں نے لکھنا بند کیا اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

جہاز بیجنگ ائرپورٹ پر اتر چکا تھا..... اپنا دستی سامان لیکر جونہی باہر آئے تو پاکستانی سفیر ریاض کھوکھر اور ان کی اہلیہ شہناز ہمارے استقبال کے لیے کھڑے تھیں۔ شہناز نے نادرہ بھابھی اور میری جانب علیک سلیک کی اور ہم سے پوچھا۔

''آپ میں سے رضا کی امی کونسی ہیں۔''

میں نے چہرے پر مسکان لاتے ہوئے جواب دیا۔

''میں۔''

''اوہ'' وہ خوش ہوگئی تھیں..... اونچے لمبے مناسب جسم وقدامت کی سمارٹ خاتون میرے سامنے تھی۔ میرے بیٹے کی ان کے بچوں کے ساتھ دوستی تھی۔ لہٰذا اس ناطے سے بھی وہ خوشی خوشی استقبال کر رہی تھیں۔ وہ کہنے لگیں۔

''اس وقت تو آپ تھکے ہوئے ہیں..... انشاءاللہ آپ سے ملاقات ہوگی..... وہ ہمارے ہمراہ لاونج میں آئیں اور کافی دیر تک بیٹھی رہی تھی..... ہماری رہائش کا بندوبست حکومت چین نے گیسٹ ہاؤس میں کیا تھا سرکاری شاہی مہمان خانہ تھا..... شہناز مجھے بتانے لگی تھیں۔

''آپ جاتے ہی استری کے لیے کپڑے نکلوالیں کیونکہ وقت بہت کم ہوتا ہے..... بار بار استری نہیں کر سکتے..... کیونکہ زبان کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے..... ان کو تمام کپڑے دیکر الماری میں لٹکا دیں..... آسانی کے لیے کہہ رہی ہوں۔

شہناز کی ہمدردانہ باتیں میرے ذہن کو لگ رہی تھیں۔ ایمبیسڈر کے علاوہ حکومت چین کے نمائندے بھی وہاں پہنچے ہوئے

تھے..... سامان کی وصولی تک ہم وہاں لاونج میں بیٹھے رہے تھے۔

شہناز جاتے وقت بھی پرتپاق انداز سے ملتے ہوئے کہہ گئی تھی کہ میں آپ کو گھر پر بھی مدعو کروں گی..... یہاں کے کھانوں سے آپ تنگ آ جائیں گے''..... وہ پہلی ملاقات میں ہی گھل مل گئی تھی۔کوئی جواب لیے بغیر میں پھر گویا ہوئی..... ''اب چند روز آپ کا ساتھ رہے گا..... چین پہلے بھی آئی ہیں۔''

''نہیں..... میرا پہلا ویزٹ ہے۔''اچھا لگے گا..... اب تو یہ بہت پھیل گیا ہے..... شاپینگ اگر کرنی ہو تو میں حاضر ہوں ..... آپ اکیلے نہیں کر سکتیں یہاں زیادہ تر چینی لوگ اپنی زبان بولتے ہیں..... کوئی وقت بیچ میں خالی ہوا تو بازار لے جاوں گی۔''

''شکریہ''..... میں نے مختصر سا جواب دیا اور وہ اپنے گھر جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھی اور ہم سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پر جانے کے لیے گاڑیوں میں سوار ہو گئے تھے۔''

ائیر پورٹ سے گاڑیاں نکل کر باہر ہائی وے کی سڑک پر بھاگنے لگیں..... دورویہ سڑک کے درمیان سبزے کی باڑ تھی۔اور سڑکوں کے کنارے پر درخت ہلکی ہلکی ہوا سے جھوم رہے تھے..... موسم خوشگوار تھا..... نہ ہی گرمی اور نہ ہی خنکی۔

گاڑیاں بھاگتے بھاگتے ایسی جگہ پر پہنچیں جہاں شہر کی حدود شروع ہوتی تھی۔ یہاں پر نہ تو نیو یارک کی طرح بہت اونچی عمارتیں تھیں..... اور نہ ہی وین کوور کی طرح خوب صورتی تھی۔صاف ستھرا شہر جو کہ بہت پھیل گیا تھا..... سڑکوں پر کافی رش تھا۔بسیں۔موٹریں۔گاڑیاں یوں لگتا تھا اس شہر میں کافی آبادی ہے..... سب سے زیادہ جس بات پر حیرت زدہ ہوئی وہ سڑکوں کے کناروں کے پیچھے سائیکل سوار لوگوں کے لیے ایک سڑک تھی۔ بے شمار سائیکل سوار مرد عورتیں۔ بچے بوڑھے جوان امن امان کے ساتھ سائیکلیں چلا رہے تھے..... یہ دبلے پتلے تھے امریکہ کی طرح موٹے تازے نہیں..... اس کی وجہ میرے سامنے تھی۔ سائیکل چلانے سے بھرپور ورزش ہوتی ہے تو انہوں نے موٹے کہاں ہونا تھا..... گاڑی چلتے چلتے شہر کی سڑک کو چھوڑ کر دائیں جانب مڑی تو سٹیٹ گیسٹ ہاؤس آ گیا تھا۔

سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں گاڑی آن کر رکی تو ایسا معلوم ہوا کسی خوب صورت سیر گاہ یا پارک میں آ گئے ہیں۔بائیں جانب عمارت اور دائیں جانب سرسبز درخت۔اور کنول کے پھول لاتعداد اور خوب صورت تھے۔عمارت کے بائیں جانب تالاب اس کے اوپر آبشار تھی۔عمارت کے سامنے بہت بڑا لان جس کا گھاس اتنا سبز تھا کہ آنکھوں کو تقویت پہنچانے لگا تھا۔میں نے ایک نظر میں ہی باہر

کے نقشے کو دیکھ لیا تھا..... سامان ویٹر نے گاڑی سے نکالا..... روم نمبر کی چابی سب کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے گیسٹ ہاؤس کی ویٹرس لڑکیاں اور ویٹر سب استقبال کے لیے جو کھڑے تھے ان کے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے تھے خوش آمدید کہتے ہوئے ..... سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہمارے ساتھ اوپر آئے..... سب سے پہلا کمرہ ہمارا اور آخر کا کمرہ ارشاد بھائی کا تھا اور درمیان میں سب کمرے باقی لوگوں کے تھے جو ہمارے ہمراہ آئے تھے۔

اس گیسٹ ہاؤس میں بڑی سی راہداری چوڑی کشادہ سیڑھیاں..... بڑے بڑے ہال..... کہیں کہیں چھوٹے کمرے بھی تھے..... دیدار شاہ چپ چاپ بغیر بولے چالے خاموشی سے بمعہ سامان اپنے کمرے میں چلے گئے تھے..... قاضی فاروق جن کو میں پہلی مرتبہ ملی تھی گو کہ سپریم کورٹ کے جج تھے مگر بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ لہٰذا تھکن کے آثار ان کے چہرے پر بھی نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے..... چیف جسٹس ارشاد تھکے ہو نہ ہو..... مسکراتے ہوئے اپنی بیگم کے ساتھ سامان رکھوا رہے تھے..... فقیر کھوکھر جو کہ فیڈرل لاء سیکرٹری ہیں..... دھیمے انداز میں ویٹر کو کچھ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئے..... اتنا دھیمے بولتے کہ گمان ہونے لگتا کہ ضرور کوئی راز کی بات بتا رہے ہیں مگر ان کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے پتا چلا کہ ان کا انداز ہی ایسا ہے..... اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے چینی۔ گھی اور دیگر مرغن غذاؤں سے پرہیز کرتے تھے..... انہیں اندیشہ ہے کہ زیادہ چینی صحت کے لیے نقصان دہ ہے اور شوگر بھی ہو سکتی ہے..... لئے دیئے رہتے ہیں۔ کسی خاتون سے بات نہیں کرتے۔

آخر میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے فقیر حسین کے ساتھ چوہدری افتخار صاحب اپنے کمرے کی چابی تھامے ہوئے میرے کمرے سے گزرے..... افتخار صاحب سپریم کورٹ کے جج ہیں جو بلوچستان سے تعلق رکھتے ہیں..... میرے میاں کا تعلق بھی بلوچستان سے ہے..... لہٰذا کبھی کبھار ان سے علیک سلیک ہو جاتی تھی مگر گفتگو کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا..... وہ اس وقت اہلیہ اور بچوں سے بچھڑ کر آئے تھے۔ تھوڑے سے اداس دکھائی دے رہے تھے..... ہم لوگوں کو بتایا گیا کہ ڈنر نیچے ہال میں دیا جائے گا لہٰذا سات بجے تک سب تھوڑا سا آرام کر لیں پھر کھانا کھانے کے لیے آ جائیں۔

اس وقت تھکن کے آثار مجھ پر بھی اثر انداز تھے..... سامان کمرے میں رکھوا کر میں بھی لیٹ گئی تھی..... اور فقیر حسین صاحب نے کمرے کا دروازہ نوک کیا اور پاسپورٹ میرے ہاتھ میں تھما دیئے..... فقیر حسین لا کمیشن کے سیکرٹری ہیں اور سارہ وقت ان کو ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کاموں میں مصروف ہی دیکھا ہے..... مسکراتے ہیں..... زیادہ بولتے نہیں

..... ہر وقت ان کا دھیان رہتا ہے کہ سارا پروگرام وقت کے مطابق ہو کسی کو شکایت بھی نہ ہو..... فقیر محمد سے زیادہ دوستی ہے .....انہی کے ساتھ بات چیت کرتے دیکھا ہے..... شاید فقیری کے ناطے دوستی ہے۔ فقیر حسین پاسپوٹ تھما کر چلے گئے تھے وہ کبھی کبھی چہرے پر گھبراہٹ بھی لے آتے ہیں۔

میں نیچے اتر کر اس سرکاری مہمان خانے کا جائزہ لینے لگی..... سیڑھیاں اتر کر تھکن محسوس نہ ہوئی تھی چوڑی اور آرام دہ سیڑھیاں تھیں۔ اس کے عین سامنے مہمانوں کے لیے ایک کمرہ تھا جہاں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کر سکتے تھے..... موٹے موٹے پلرز اور تین بڑے بڑے شینڈ لیر شام کے وقت بھی روشن دکھائی دیتے تھے کمرے میں آرام دہ صوفے۔ دیوار در دیوار قالین اور صوفوں کے درمیان سرخ اور پیازی پھولوں کا قالین بچھا تھا اور باقی کمرے میں سادہ کمرے ہیں جہاں ہم داخل ہوتے ہیں بالکل اس کے سامنے بڑے بڑے شیشے کے دروازے اور کھڑکیاں تھیں وہاں سے سرسبز لان خوب صورت پھول اور درخت دکھائی دے رہے تھے یہ وہ حصہ تھا۔ جہاں عمارت کی بیک سائیڈ تھی۔

آبشار تالاب اور پودے دیکھ سکتے تھے..... یہ صرف ایک گیسٹ ہاؤس نہیں تھا بلکہ ۱۷ اور بھی تھے۔ یعنی کل اٹھارہ شاہی مہمان خانے تھے۔ یہ نمبر ۲ تھا..... اور نمبر ۱۸ کا سنا گیا تھا اس سے بھی عمدہ شاہی مہمان خانہ تھا۔

خیر اس کمرے سے نکل کر کئی اور کمروں میں بھی گئی..... ہر کمرے کی سجاوٹ اپنی نوعیت کی تھی..... سات بجنے والے تھے اور ٹھیک سات بجے ڈائنگ روم میں سب نے پہنچ جانا تھا..... میں مزید اس شاہی مہمان خانے کو نہ دیکھ سکی تھی جونہی کھانے کے کمرے کے باہر سے گزری تو تمام حضرات میز پر موجود تھے' کمرے میں داخل ہوئی اور نادرہ بھابھی کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ تین چار لڑکیاں خوبصورت پیلے لباسوں میں سروس کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ سامنے شیشے کی کھڑکیوں سے گارڈن کا منظر دیکھ سکتے تھے۔ بلکہ یہاں سے بہتی ہوئی آبشار بھی نگاہوں کے سامنے تھی..... جو بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

میز پر سوائے ارشاد صاحب کے تمام صاحبان خاموشی سے ارشاد صاحب کی گفتگو سن رہے تھے..... یہاں بھی بیٹھے بیٹھے ایسا لگا جیسے ان کو بولنا ہی نہیں آتا۔

فقیر کھوکھر تو ویسے ہی دھیمے انداز میں بات کرتے تھے وہ نہ بولنے کے برابر والی بات تھی..... ارشاد بھائی گو کہ لمبا سفر کر کے آئے تھے تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے..... اس وقت تقیا سب لوگوں کو بھوک لگ رہی تھی۔ چینی لڑکیاں سوائے اپنی زبان کے انگریزی نہیں جانتی تھیں۔ سلاد ہر ایک کے سامنے رکھی گئی..... وہ نہ سلاد لگ رہی تھی اور

نہ ہی گھاس۔ اس سلاد کی پلیٹ میں دو تین بار کانٹا الٹ پلٹ کیا..... کوئی پتہ منہ میں ڈالا اور پلیٹ ایک جانب رکھ دی ..... چین کے حساب سے یہ نہایت ہی عمدہ کھانا تھا۔ جونہی پلیٹ ایک جانب رکھی تو وہ ایک اور پلیٹ جس میں بطخ کے پیس رکھے ہوئے تھے..... غیر ذبح گوشت اور چکن میں ویسے ہی نہیں کھاتی بطخ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ بطخ کھاتی..... خدا کا شکر ہے کہ اورنج جوس۔ کوک۔ سیون اپ کے ساتھ پیش کر رہی تھیں۔ میں نے اورنج جوس خراماں خراماں حلق سے اتارنے کی کوشش کی ..... بھوک آدھی کم ہوگئی تھی..... میں نے باقی کے مہمانوں کی جانب دیکھا تو ان کے چہرے پر بھی بیزاری کے آثار تھے ..... کسی نے بطخ کھائی کسی نے سلاد چکھا..... کسی نے کچھ بھی نہ کھایا.....

وہ راؤنڈ کھانے کا ختم ہوا تو پیش پیش کی گئی..... وہ سب نے رغبت سے کھائی..... پر اس کے بعد چاول چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں پیش کئے گئے وہ اتنے موٹے اور لیس دار تھے کہ حلق کے درمیان اٹک کر رہ گئے تھے..... وہ لڑکیاں دیکھتی تو میں لبوں پر ناکام مسکراہٹ لاتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کرتی۔ لیکن اس شاہی مہمان خانے میں ایک لڑکی اور دو لڑکے ہمارے خدمت کے لیے مقرر تھے۔ وہ بھی قیامت کی نظر رکھتے تھے..... وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے تھے..... چار و نچار ان کے پوچھنے پر بتایا کہ میں ویجی ٹیرین ہوں..... تو اس نے کہا۔

''کل اس قسم کی ڈشیز تیار کرلوں گا'' آخر میں کٹے ہوئے فروٹ کی پلیٹیں آئی تو سب نے شوق سے کھایا۔

کھانے کے بعد سب سے خدا حافظ کیا اور اوپر اپنے کمرے میں آ کر کیٹل سے چائے بنائی ساتھ ایک رس لیا اور اپنا پیٹ بھر لیا تھا۔ ٹھیک سات بجے اسی کمرے میں ناشتے کے لیے پہنچنا تھا۔

صبح ناشتے کے لیے انڈا توس مکھن جیم۔ جوس اور دیگر اشیاء پیش کی گئیں..... دل میں یہی سوچا کہ ٹھیک طریقے سے ناشتہ کیا جائے..... بلکہ دوپہر کے کھانے کا بھی کام لیا جائے تو مناسب ہے..... کھانا دوپہر کا اس نوعیت کا آنا تھا۔

ہمارے وفد نے تھوڑا تھوڑا بولنا شروع کر دیا تھا۔ رات نیند پوری کرنے سے وہ ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے ..... مرد حضرات نے سپریم کورٹ جانا تھا اور ہمارے لیے کونسلر کی وائف آ رہی تھیں میوزیم آف heaven دکھانے کے لیے ..... میں اور نادرہ بھابھی اوپر آتے ہی لیٹ گئیں..... مگر ابھی لیٹے ہوئے دس منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک خاتون جو مسز نعیم ہمارے پاکستانی کونسلر کی اہلیہ تھیں..... ان کو آتا دیکھ کر میں نے جلدی جلدی اپنا کھلا ہوا بکس بند کیا..... بوکھلاہٹ میں کمرے کی چابی کہیں رکھ دی..... پھر صندوق سے اپنا بیگ نکالا..... تو کمرے کی چابی اس میں موجود تھی۔ یہ کام اتنی جلدی ہوئے کہ

بوکھلاہٹ میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ایک دم یہاں سے کوچ کریں۔ کمرے سے باہر جاتے ہوئے وہ خاتون کہنے لگی تسلی سے باہر آئیں..... نادرہ بھابھی بھی پہنچ گئیں..... میں کھسیانی سی باہر آئی جہاں نعیم صاحب کی اہلیہ اور نادرہ بھابھی موجود تھیں۔ ہم تینوں اور ایک چینی لڑکا ہماری رہنمائی کے لیے ساتھ تھا..... چینی لڑکی مرد حضرات کے ساتھ گئی تھی وہ مترجم تھی..... اس نے ارشاد صاحب کی تقریر چینی زبان میں ان کو بتانی تھی اور چینی ججز کے خیالات ان کو انگریزی میں بتانے تھے..... اس لئے ہم چاروں دو گاڑیوں میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل پڑے تھے۔ ایک گاڑی میں نادرہ بھابھی اور میں دوسری گاڑی میں چینی لڑکا اور (انیلا) مسز نعیم۔

سٹیٹ گیسٹ ہاؤس سے بمشکل دو تین میل کے بعد بیجنگ شہر کا علاقہ شروع ہو گیا تھا..... دو رویہ سڑکوں کے کنارے پر درخت اور درختوں کے پیچھے ایک خاص سڑک جہاں لاتعداد سائیکل سوار جن میں لڑکیاں، لڑکے، مرد، عورتیں بوڑھے جوان یہاں تک کہ بچے بڑے امن و امان کے ساتھ سائیکلوں پر سوار اپنی اپنی مطلوبہ جگہوں پر جا رہے تھے..... امریکہ کے مقابلے میں چائنیز دبلے پتلے تھے۔ ہوتے بھی کیوں نہ بقول شہناز کے صبح اپنے کام پر آنے کے لیے ایک گھنٹہ سائیکل کی سواری کرتے اور واپس شام کو جاتے ہوئے ایک گھنٹہ پھر سائیکل کی سواری کرتے۔ دن میں دو گھنٹے ایکسرسائز کے لیے بہت تھے۔

گاڑی اب ایسی جگہ سے گزرنے لگی جہاں بلڈنگوں کی بہتات تھی۔ اونچی نیچی شیشوں سے مرصع عمارتیں دکھائی دینے لگی تھیں..... پھر دیکھتے ہی دیکھتے رہائشی فلیٹز۔ اپارٹمنٹ جہاں چھوٹی چھوٹی بالکنیوں پر چائنیز بچوں کے کپڑے سکھانے کے لیے بالکنیوں میں نظر آ رہے تھے۔ وہ فلیٹ بہت اچھی حالت میں نہیں تھے..... غربت و افلاس کا نمونہ وہاں بھی نظر آتا تھا ..... سڑک پر گاڑیاں بھی بہت تھیں اور بسیں بھی..... بس سٹاپ پر لوگ کھڑے تھے..... جو لائن کی صورت سوار ہو رہے تھے۔ ان بسوں میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے..... جن کو سیٹیں بیٹھنے کو نہیں ملی تھی وہ بس کی چھت پر لگے ہینڈل کو پکڑے کھڑے تھے یورپ اور امریکہ میں ایسا نہیں ہوتا وہاں پر اتنی ہی سواریاں بٹھائی جاتی ہیں جتنی کہ سیٹیں ہوتی ہیں..... لوگوں کے ہجوم سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں پر بہت زیادہ آبادی ہے۔

ویسے بھی بیجنگ چائنہ کا کیپیٹل ہے اور دس ملین یعنی ایک کروڑ کی آبادی ہے۔ بیجنگ چائنہ کا سیاسی معاشی اور ثقافتی مرکز ہے۔ آٹھ سو سال پہلے بیجنگ کیپیٹل تھا جن یون، منگ اور کنگ (Yin Yuan, Ming and Qing) کی سلطنت کا۔

۱۹۴۹ء میں انڈسٹریل سنٹر بن گیا بہت ساری ٹیکسٹائل کا بھی مرکز بنا..... ترقی کرتے ہوئے ۳۵ یونیورسٹیاں اور کالج بن

گئے۔مشہور بیجنگ یونیورسٹی ۱۸۹۸ء میں بنی..... غیر ممالک بیجنگ میں آن کر ان سٹورز کو انجوائے کرنے لگے اور کاروبار بھی جہاں سلک' مشینری' کڑھائی کی سلک' پینٹنگ..... اور یہاں تک کہ ہربل میڈیسن کی پیداوار بھی ہوتی رہی۔سب سے زیادہ مشہور ہینڈی کرافٹز کا پٹ سے ہوئی۔اعلیٰ ترین سلک بیجنگ میں ملتی ہے۔بہت سارے مسلمان ان گنت بیجنگ میں رہتے ہیں ۶۰ سے زیادہ وہاں مسجدیں ہیں۔سب سے بڑی اور پرانی مسجد Niujie نیوجی ہے۔یہ مسجد مسلمانوں کی بہت بڑی مسلم کیمونٹی میں واقع ہے اور بعض فیمبر Huiminority سے تعلق رکھتے ہیں۔

انیلا مسز نعیم پاکستان ایمبیسی سے آئی تھیں..... راستے میں میں نادرہ بھابھی کو بتا رہی تھی کہ دوسرے ملکوں میں شوہروں کے ساتھ ساتھ بیویاں بھی مددگار ہوتی ہیں..... اس وقت ہمیں گھمانے کے لیے اپنے فرائض کو مقدم جان رہی ہے۔بغیر صحیح طرح جاننے میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اچھی خاتون ہے۔

گاڑی سبک رفتار پر چل رہی تھی۔سڑک کے کنارے درخت جو قطار کی صورت دکھائی دے رہے تھے وہ گاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے..... ڈرائیور کے پاس موبائل تھا اور پیچھے انیلا کے ساتھ بیٹھا ہوا چینی لڑکا پوچھنے لگا کہ بدھاز کا لاٹمپل قریب ہے۔میڈم سے پوچھ لیں کہ وہاں جانا پسند کریں گی۔'' ڈرائیور کو چینی زبان کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔بجائے ہم سے پوچھنے کے اس نے لاما ٹمپل کے پاس گاڑی روک دی تھی۔دوسری گاڑی بھی قریب آ کر رک گئی چینی لڑکا گائیڈ گاڑی سے اترا اور مجھ سے پوچھنے لگا آپ اس ٹمپل تو دیکھنا پسند کریں گی..... میں نے نادرہ بھابھی سے پوچھا۔

''تو انہوں نے جواب دیا ہمارے لیے دونوں نئے ہیں..... چلیں یہی ٹمپل دیکھ لیتے ہیں۔''

یہ سنتے ہی انیلا نے چینی لڑکے کو ٹکٹیں خریدنے کو کہا اور ہم اس ٹمپل میں داخل ہو گئیں۔ٹمپل کو دیکھ کر حیران رہ گئی..... بہت بڑا ایریا..... جسے صحن کہہ سکتی ہوں اس کے دائیں بائیں..... کئی چائینز سائل کے گھر تھے..... یعنی گھروں کی چھتیں سرخ اور سبز رنگ سے مرصع تھیں صحن کے درمیان ایک ایسی انگیٹھی تھی جہاں کئی چائینز اگر بتیاں سلگا رہے تھے..... بائیں جانب ایک گھول گھومنے والی مشین تھی لوگ جب اس ٹمپل پر آتے تو اس کو گھماتے تو ٹن ٹن کی آواز آتی یعنی اپنے آنے کی اطلاع بدھا کو دیتے۔یہ ان لوگوں کا اعتقاد تھا اگر بتیاں سلگا کر اندر داخل ہو جاتے تھے۔میں بھی لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو درمیان میں بڑا بدھا اور دائیں اور بائیں چھوٹے بدھاز تھے..... یعنی بڑے بدھاز کے یہ چیلے تھے جو بعد میں وہ بھی بدھاز ہو گئے تھے۔

یہاں پر بالکل ہمارے مزاروں کی طرح لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے..... گھنٹی بجاتے اگر بتیاں سلگاتے اور اندر

جا کر گھٹنے ٹیکتے تھے..... زیادہ تر جوان لڑکیاں اور لڑکے تھے شاید اپنی مرادیں لیکر آئے ہوئے تھے..... ایک اور کمرے میں گئی تو وہاں پر خاصا ہجوم تھا..... یہاں کمرے کے چاروں طرف دیوار کے ساتھ ساتھ بدھا تھا اور درمیان میں ایک بدھا تھا ..... یہاں پر لوگ ٹولیوں کی صورت میں گھٹنے ٹیک کر دعا مانگ رہے تھے..... میں نے اس گائیڈ چینی لڑکے سے پوچھا۔

''تم بھی بدھا ازم کو مانتے ہو''..... وہ مسکرایا اور بولا۔

''No میں نہیں مانتا..... اپنا اپنا اعتقاد ہے۔'' بات بھی صحیح تھی..... ''میں خدا کو مانتا ہوں''..... اس کی بات مجھے بہت اچھی لگی تھی..... انیلا بھی چلتے چلتے روشنی ڈال رہی تھی..... یہ ٹمپل ۱۶۹۴ میں بنا اور کنگ Young کی سلطنت میں پیلس بنا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ پیلس امن اور سکون کا گہوارہ رہے..... مگر بعد میں ۱۷۱۱ء میں اس کو تفریح کے طور پر بدل دیا ..... آہستہ آہستہ تمام گھروں میں بدھا زرکھے گئے تھے۔

ایک کمرے میں آئی تو بہت بڑا بدھا جو کئی میٹر لمبا اور چوڑا تھا' یہ مین ہال تھا جہاں پر بہت سارے بدھا دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے تھے..... یہ تمام بدھا میٹل کے بنے ہوئے تھے..... ان کو سنہری اور کہیں کہیں سرخ رنگ سے بنایا گیا تھا۔ کہیں Osotenic بدھا تھے اور کہیں بہت سارے ہال جن کے نام Falun Hall Yongyou Hall اور پیولین Wanfu یعنی اس نام سے کمرے تھے..... ان ہالوں کا نام چائینز میں تھا..... مین ہال کے ارد گرد اسی طرح کے بڑے بڑے ہال اور بدھا ز تھے..... اتنے سارے لوگوں کسی ہال میں زیادہ اور کسی ہال میں کم..... جس جس کا اعتقاد جہاں جہاں تھا وہیں اسی مقام پر جا رہے تھے تمام دنیا کی مزاروں اور عبادت گاہوں کا ایک ہی نمونہ ہوتا ہے..... دنیا کو دیکھنے اور ان کے مذاہب کو دیکھ کر آپ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان کو کیوں پوجتے ہیں..... کہیں کہیں شہنشاہ کے زمانوں کا فرنیچر بھی پڑا ہوا تھا..... صحن کے کونوں میں میٹل کے بنے سٹیچوز شیر اور سانپ کی شکل کے بنے ہوئے تھے..... آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

ہم گھوم پھر رہی تھیں۔ کسی کو پروا نہیں تھی کہ یہ خواتین کون ہیں..... بس ان کو اپنی دعا مانگنے اور حاجتیں پوری ہونے سے فکر تھی۔

تین چار ہال دیکھنے کے بعد انیلا نے پوچھا۔

''آپ اور گھومنا چاہیں گی۔''

''نہیں میرے خیال میں اتنا کافی ہے'' نادرہ بھابھی نے جواب دیا''

ان کے اس جواب سے ہم سب نے واپسی کا سوچا۔ واپسی جاتے ہوئے ایسے بدھا کے گھر سے گزرے جو سرسبز درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ان گھروں کا نقشہ ایک جیسا تھا..... بلکہ سڑک سے گزرے ہوئے کئی اس نقشے کی عمارتیں نظروں سے گزریں تھی۔ کوٹج نما گھر سرخ اور سبز رنگوں سے مرصع تھے..... گاڑی میں بیٹھے ہوئے انیلا نے خدا حافظ کہا۔

ہمیں بھی جلدی تھی پونے چھ بجے کے قریب چیف جسٹس سپریم کوٹ کی جانب سے عشائیہ تھا جو کہ گریٹ ہال میں دیا جا رہا تھا۔

چائنہ کے چیف جسٹس نے گریٹ ہال میں عشائیہ دیا تھا..... ہم سب نیچے لابی میں پہنچ کر پروگرام کے مطابق پونے چھ بجے گاڑیوں میں سوار ہو جانا تھا..... سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پر تمام گاڑیاں کھڑی تھیں۔ چائیہ کے چیف جسٹس نے جیسا کہ پہلے لکھ چکی ہوں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا تھا بہت سی سہولتوں سے نوازا تھا۔ کسی قسم کی دشواری نہیں تھی..... بس زبان کا مسئلہ درپیش تھا وہ بھی ایسے گائیڈ ہماری رہنمائی کے لیے چنے تھے جن کو انگریزی آتی تھی لیکن فورا ہماری بات وہ بھی سمجھ نہیں پاتے تھے..... ذہن پر زور دیتے ایک بار پھر پوچھتے پھر دماغ کے کسی خانے میں بات کی تہہ تک پہنچ جاتے..... دو لڑکیاں اور دو لڑکے سب کی رہنمائی کے لیے مقرر تھے۔ لہٰذا اتنی دشواری نہیں ہوئی جتنی کہ ہونی چاہیے تھی..... چیف جسٹس ارشاد حسن خان کے لیے لیموزین گاڑی پورچ میں کھڑی تھی باقی گاڑیاں جن میں ڈیلی گیٹ نے جانا تھا ان کے پیچھے قطار کی صورت میں کھڑی تھیں..... کسی نہ کسی گاڑی میں گائیڈ لڑکیاں اور لڑکے بیٹھ جاتے کمال پھرتی سے سب کو بیٹھاتے..... ان سے باتیں کرتے اور راستے سے گزرتے ہوئے عمارتوں کو دیکھ دیکھ کر انگریزی میں بتاتے جاتے ..... چیف جسٹس آف پاکستان کی گاڑی کے پیچھے تمام گاڑیاں چل رہی تھیں..... گریٹ ہال ابھی کافی دور تھا۔ گاڑیاں شہر کی حدود میں جونہی داخل ہوئیں تو دورویہ سڑکوں کے دائیں اور بائیں جانب فلیٹز اور اپاٹمنٹ کا جال بچھ گیا درمیان میں سبزے کی باڑ ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھیں..... اور سڑکوں کے کنارے لاتعداد سرسبز درخت سر جوڑے کھڑے تھے..... دورویہ سڑکوں کے علاوہ درختوں کے پیچھے ایک ایسی سڑک تھی جہاں پر سائیکل سوار مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے اطمینان سے سائیکلوں پر بیٹھے اپنی دھن میں مست اپنے اپنے کام سے جا رہے تھے..... چوراہے پر ٹریفک لائیٹز کی وجہ سے پیدل چلنے والوں کے لیے سہولتیں میسر تھیں اور قریب ہی بس سٹاپ سڑک کے آمنے سامنے تھے لوگ بسوں میں اپنی باری آنے پر بیٹھ رہے تھے..... آبادی زیادہ ہونے کی صورت میں بسیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں..... جس کسی کو جگہ نہ ملتی تو چھت پر لگے ہنڈل کو مضبوطی سے تھام کر کھڑا ہو جاتا۔ سو کئی لوگ بسوں میں کھڑے ہی دکھائی دے رہے تھے۔

تیز رفتار سے چلتی ہوئی گاڑیاں ایک پروقار اور خوب صورت عمارت کے پورچ میں داخل ہو گئیں۔ میں حیران تھی کہ یہاں کی عوام

زیادہ تر فلیٹوں میں گزارے کرتی ہے مگر ان کی سرکاری عمارتیں بڑی ہی شاہانہ تھیں۔

اندر داخل ہوئی تو ایک محل کی طرح اس کو شاہانہ پایا۔ اس میں کئی ہال تھے یہ بلڈنگ ۱۹۹۸ء میں تعمیر کی گئی تھیں..... بے شمار رہداریاں، بڑے بڑے دروازے اور کھڑکیاں..... نقش ونگار کے قد آدم واز بڑے ہی نفیس اور ضخیم تھے۔

بہت بڑی بڑی تصویریں جو کہ چائنہ کی گریٹ وال سے تعلق رکھتی تھیں..... غرض کہ ہر چیز وہاں پر خوش آمدید کہہ رہی تھی .....ان راہداریوں سے گزرتے ہوئے کئی ہال دائیں بائیں جانب سے گزرے پھر ایک ہال سے باہر چیف جسٹس ارشاد حسین خاں نے سب کو اپنے ساتھ اندر چلنے کے لیے کہا۔

ہال میں داخل ہوتے ہی بڑے بڑے گلدستے مہمان گرامی کو دیئے گئے اور چیف جسٹس نے آگے بڑھ کر خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور اپنے ساتھ ہال کے آخری حصے میں جہاں سرخ رنگ کی صوفہ نما کرسیاں تھیں وہاں پر گول دائرے کی صورت میں بچھی تھیں سب کو بیٹھنے کے لیے کہا چیف جسٹس آف چائنہ کے علاوہ دیگر جج صاحبان بھی وہاں پر موجود تھے..... آپس میں تعارف کروایا گیا..... تقریں اور جوابی تقریں۔ جن کا ترجمہ مترجم نہایت ہی خوش اسلوبی سے کرتا..... چین اور پاکستان کے نظام عدل کے بارے میں تقریریں کی گئی اس کے بعد چیف جسٹس ارشاد حسن خاں صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے پاکستان کے نظام عدل کے بارے میں روشنی ڈالی۔ اس وقت سفیر پاکستان ریاض کھوکھر اور ان کی اہلیہ شہناز بھی موجود تھیں۔ دونوں چیف جسٹس اس بات پر متفق تھے کہ دونوں ممالک میں مقدمات کا فیصلہ مختلف وجوہات کی بنا پر جلدی نہیں ہو رہا ہے..... دونوں چیف جسٹس صاحبان اس مسئلے کو قابو پانے کے لیے ایک دوسرے کو تجاویز دے رہے تھے..... تمام حضرات بڑے غور اور خوص کے ساتھ ان کی تقریریں سن رہے تھے۔

اس کے بعد ایک اور ہال میں لے گئے جہاں پر کھانے کے لیے بہت بڑا میز موجود تھا۔ ہر ایک کی کرسی کے اوپر اس کے نام کا کارڈ موجود تھا لہٰذا بیٹھنے میں کسی کو دشواری نہ ہوئی میرے سامنے نادرہ بھابھی کسی جج خاتون کے ساتھ بیٹھی تھیں اور میرے قریب ایک چائینز جج خاتون جو کہ سپریم کورٹ کی جج تھیں..... دھیرے دھیرے سلاد کھاتے ہوئے مجھ سے ہم کلام تھی۔ وہ پاکستان کے بارے میں جاننا چاہتی تھی گو کہ اس نے پاکستان نہیں دیکھا تھا مگر دیکھنے کی تمنا رکھتی تھی مجھ سے پوچھنے لگی۔

آپ کا ملک سنا ہے بہت گرم ہے..... پھر خود ہی مسکرائی کوئی بات نہیں یہاں پر بھی گرمی خوب پڑتی ہے۔"

"جی لیکن پاکستان سے خوش گوار موسم ہے"..... وہ بتانے لگی۔

موسم کی بات چھوڑیں مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ لوگ ہمارے ملک میں آئے اور ہم لوگوں کو عزت دی..... پاکستان کے ججز بہت ذہین لگتے ہیں کیونکہ آپ کے چیف بہت دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں۔''

''وہ تو ہیں..... اس میں شک نہیں..... کیونکہ میں خود بھی جج ہوں جو انہوں نے وجوہات اور مجبوریاں بتائی ہیں وہ یہاں پر بھی پاپولیشن ہونے کی وجہ سے بہت ہیں اپنی طرف سے تو ہم کوشش کرتے ہیں کہ جلد از جلد مقدموں کا فیصلہ کریں..... مگر جلدی ہو نہیں سکتا وقت لگتا ہے۔''

اس کا مطلب ہے کہ ہر جگہ ایک جیسا ماحول ہے..... پھر میں نے پوچھا۔''آپ Beiging میں رہتی ہیں''

''جی''

''کتنے بچے ہیں۔''

''صرف ایک بیٹا ہے..... یہاں کے لاء کے مطابق آپ بچے زیادہ نہیں کر سکتے ..... لیکن ہمارے دیہی علاقوں میں ان گھروں میں جہاں لڑکا پیدا نہیں ہوتا تو وہ دوسرا بچہ کر لیتے ہیں۔''

''اگر دوسرا بچہ بھی لڑکا نہ ہوا تو کیا کرتے ہیں۔تیسرے کی تیاری نہیں بہت کم فیملیز ایسی ہیں جو لڑکے کی خاطر تین بچے کریں۔''

''آپ پاکستان آئیں۔''

مسکرائی..... ضرور..... آپ لوگ ہمیں انوائیٹ کریں ہم ضرور آئیں گے ہمیں پاکستان دیکھنے کا شوق ہے۔''

انشاءاللہ آپ کی خواہش پر ضرور بلایا جائے گا۔''ہم دونوں بات چیت کر رہی تھیں کہ ویٹرس لڑکیوں نے سروس دینی شروع کر دی تھی۔

''آپ اس ڈش کو ضرور کھائیں بہت عمدہ ہے..... وہ بطخ کو چھری سے کاٹتے ہوئے گویا ہوئی..... بطخ تو میں نے ساری زندگی نہیں کھائی تھی اور ویسے بھی غیر ذبیح چیز میں باہر کے ملکوں میں نہیں کھاتی..... میں نے سلاد کی پلیٹ اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''میں وجیٹیرئین ہوں''

''اور..... فیش تو کھا لیتی ہیں''

''فش پرونز نہیں کھاتی۔''

کوئی بات نہیں۔دو تین قسم کی فیشن آئے گی وہ کھا لیجئے گا۔''

دھڑا دھڑ..... ان کے ملک اور خاص کر کے چائینز ڈشیں جن کو وہ رغبت سے کھاتے ہیں اور ہمیں بھی کھانے کے لیے اصرار

کرنے لگے میں تو ویجی ٹیرین کہہ کر بچ گئی مگر نادرہ بھابھی کو سب کچھ تھوڑا تھوڑا کھانا پڑا۔ آخر میں تلی ہوئی مچھلی آئی تو وہ میں نے ایک پیس کھا کر اللہ میاں کا شکر ادا کیا..... ہم لوگ ان کو کہہ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم اس طرح کی چیزیں نہیں کھاتے..... وہ پیار خلوص اور محبت سے وہ چیزیں پیش کرتے تھے جسے ہم نہ چاہتے ہوئے بھی ان میں سے کچھ نہ کچھ کھا لیتے..... میں صبح کے وقت اپنا پیٹ اورنج جوس انڈا اور توس سے بھر لیتی بھوک لگتی تو کمرے میں کیٹل سے چائے بناتی اور فروٹ کھا لیتی..... اس طرح آخر میں میٹھا آیا تو وہ سب نے رغبت سے کھایا..... میں نے میٹھے کی جگہ فریش فروٹ کھانا پسند کیا۔

کافی دیر کھانے کا دور چلتا رہا تھا..... اس کے بعد آخری کلمات شکریہ کے ادا ہوئے۔

سپریم کورٹ آف چین کے درمیاں عدالتی میدان میں باہمی تعاون کے ایم او یو پر دستخط ہوئے۔ چیف جسٹس ارشاد حسن خاں نے چینی سپریم پیپلز کورٹ کے صدر کو دعوت دی کہ چین کی ماتحت عدلیہ کے تین ججوں کو پاکستان کی فیڈرل جوڈیشل اکیڈمی کا دورہ کرنے کے لیے نامزد کریں۔ چیف جسٹس پاکستان کی سربراہی میں پاکستانی وفد نے نیشنل ججز کالج کا دورہ کیا جو کہ میں پہلے بھی لکھ چکی ہوں..... چین کی تاریخ میں یہ پہلا دورہ ہے۔ دونوں ملکوں کو قانون کی حکمرانی قائم کرنے اور انصاف کی فراہمی کے نظام کو مضبوط کرنے کے لیے ایک دوسرے سے مفید معلومات ملیں گی۔

انہوں نے ارشاد حسن خاں کو کہا تھا کہ مستقبل میں بھی وہ چین کے نیشنل کالج میں لیکچر دیتے رہیں گے۔

ہال میں فانوس کی روشنی در و دیوار کو منور کیے ہوئے تھی۔ چین کو واقعی باقی ملکوں سے بہت مہمان نواز پایا تھا..... بلکہ اصرار کر کے کھلاتے ہیں۔ کھانے کا اختتام ہو گیا تھا..... اس محفل میں لیڈی ججز بن سنور کر آئی تھیں۔ ایک لیڈی جج سے بھی میں نے وہی سوال کیا تھا۔

''آپ کے کتنے بچے ہیں''

''ایک بیٹا ہے''

''بس'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

اور کیا قانون کے مطابق ایک ہی پیدا کرنا تھا..... ویسے کرنا چاہتی تو کر سکتی تھی دیہی علاقوں کی طرح مگر خود قانون دان ہوں .....غلط فیصلے کیسے کر سکتی ہوں۔''

اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ میرا بیٹا شنگھائی میں ملازمت اختیار کیے ہوئے ہے۔ شادی ہو چکی ہے مگر ابھی بچے نہیں

ہوئے ہیں..... گرین ٹی کے بعد محفل برخاست ہوگئی تھی اور کافی دیر تک جاتے جاتے باتوں کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ایک بار پھر سب نے شکریہ ادا کیا اور گاڑیوں میں بیٹھ گئے تھے۔

ہمارے وفد کے ممبر فقیر حسین نے گریٹ ہال کی واپسی پر ایک پرچہ میرے ہاتھ میں دیا..... جس میں ہم لوگوں کے لیے پروگرام تھا Millenium Muswum میلینم میوزیم دیکھنے کے لیے جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ خواتین کے لیے صرف دو میوزیم جن میں لاماٹمپل اور میلنیم میوزیم کا پروگرام الگ ہے باقی کے پروگرام سب چیف جسٹس آف پاکستان ارشاد حسن خاں کے ساتھ ہیں۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی ناشتہ کی میز پر سب موجود تھے ہال کے شیشوں سے بہتی ہوئی آبشار اور سبزہ بھلا دکھائی سے رہا تھا .....ہمارے وفد کے ممبران چپ چاپ ناشتہ کرنے میں مگن تھے..... ارشاد حسن خاں کی دلچسپ گفتگو سے کبھی کبھار مسکرا پڑتے..... یا ہوسکتا ہے کہ ارشاد صاحب کو موقع دیتے تھے..... بولنے کا۔

''اچھا بھابھی'' ارشاد صاحب مجھ سے مخاطب تھے..... ''ناشتہ کے بعد آپ لوگ میوزیم دیکھنے کے لیے چلی جائیں .....ہم ضروری میٹنگ پر جارہے ہیں..... اس کے بعد تمام پروگرام میں آپ لوگ میرے ہمراہ جائیں گی۔''''معلوم ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

اور سامنے بیٹے ہوئے کھوکھر صاحب کی جانب دیکھا تو وہ پنیر کی ٹکیہ کو الٹ پلٹ کر کے دیکھتے ہوئے اندازہ لگا رہے تھے کہ اس کے کھانے سے کتنی کلریز بڑھنے کا اندیشہ ہے۔میں نے مسکراتے ہوئے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی آنکھیں بند کر کے کھالیں..... اس میں کم کلیریز ہیں اور شوگر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ مسکرا پڑے ان کو مسکراتے دیکھ کر باقی لوگ بھی مسکرائے اور ارشاد صاحب نے بھرپور قہقہہ چھوڑا تو سروکرنے والی لڑکیاں ہماری زبان کو جانے سمجھے بغیر مسکرانے لگیں۔نوجوان خوب صورت لڑکیاں..... ویٹرس تھیں..... مہذب باتمیز..... جب کوئی چیز مانگتی تو آنکھوں میں حیرت لاتے ہوئے پوچھتی..... نہ سمجھ آئے تو منظم شخص کو بلا کر سمجھنے کی کوشش کرتیں۔

ناشتہ سے فارغ ہوکر میں نادرہ بھابھی کے ساتھ باہر آبشار کے قریب تالاب کے پاس سیر کرنے لگی تھیں..... ہمیں ایمبیسی والوں کا انتظار تھا ان کے ہمراہ ہم نے میلینم میوزیم دیکھنے کے لیے جانا تھا..... میوزیم دیکھنے کی حاجت ہی نہیں تھی خوب صورت مقام کی سیر جو کر رہی تھیں..... پھول کھلے ہوئے تھے..... پودے ہولے ہولے ہوا کے ہلکوروں سے جھوم رہے تھے

..... چار سو سبزہ خوبصورت روشیں..... اور لاتعداد پھولوں کی کیاریاں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس اسے ایک قسم کا پارک بھی کہہ سکتے تھے جہاں الگ الگ قسم کے گیسٹ ہاؤس تھے۔

گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر کئی دربان لڑکے لڑکیاں خدمت کے لیے مقرر تھے..... چین میں آ کر اندازہ لگایا کہ ان لوگوں نے پاکستان سے آنے والے وفد کی کس طرح سے عزت افزائی کی ہے..... یہ بلاوہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی جانب سے تھا..... مگر چین کی حکومت کا بھرپور تعاون تھا۔ اتنا زبردست استقبال اس سے پہلے میں نے کسی ملک میں نہیں دیکھا تھا..... گریٹ ہال کے کھانے کے دوران کئی اشخاص نے مجھ سے کہا۔

ہم پاکستان آپ لوگوں کی دعوت پر ضرار آئیں گے اب تو آپ کے ساتھ ہماری دوستی اور بھی مضبوط ہوگئی ہے..... میں سیر کرتے ہوئے گریٹ ہال کی گفتگو کو یاد کر رہی تھی۔

ایمبیسی سے ایک خاتون جو مسٹر سید حسن جاوید منسٹر اینڈ ڈپٹی ہیڈ آف مشن کی اہلیہ تھیں..... پہنچ گئیں..... گاڑی سے اتر کر اس سے علیک سلیک کی اور اپنا نام شہناز بتایا۔ دھیمی انداز میں گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ''آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر خوشی محسوس ہوئی ہے۔''

''جی ہمیں بھی'' میں نے اور نادرہ بھابھی نے جواب دیا۔

''اگر آپ لوگ تیار ہیں تو چلتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ گاڑی میں بیٹھیں۔''

وہ چینی لڑکے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی اور دوسری گاڑی میں نادرہ بھابھی اور میں بیٹھ گئی۔

بیجنگ کی سڑک پر گاڑیاں چل رہی تھیں..... راستے میں بہت سارے رہائشی گھر نظر آنے لگے تھے..... یہاں پر لندن امریکہ کی طرح نمونہ ہی فرق تھا..... وہاں لندن میں ایک ہی قطار میں ایک جیسے گھر دکھائی دیتے تھے..... امریکہ میں بھی اس قسم کے گھر اور کہیں کہیں کھلے علاقے میں بڑے بڑے گھر دکھائی دیتے ہیں..... بیجنگ ان ملکوں سے مختلف تھا ان کا کلچر نہ صرف ہم سے فرق تھا بلکہ لندن امریکہ سے بھی فرق..... کسی زمانے میں اتنی آبادی نہیں تو مرد عورتیں ایک لباس میں دکھائی دیتی تھیں۔ دیکھنے والا سمجھ نہیں سکتا تھا کہ یہ شخص مرد ہے کہ عورت مگر اب سائیکلوں پر سوار خواتین' پینٹوں' سکرٹوں میں دکھائی دے رہی تھیں اور مردوں کی پہچان کوئی مشکل نہیں تھی..... عمارتوں پلازہ..... اور دفاتر کو پیچھے چھوڑتے ہوئے دس منٹ کی ڈرائیو پر ہم

ملینیم میوزیم پہنچ کر ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوئے تو بڑی بڑی چمک دار فرشوں کی راہداریوں سے گزرتے ہوئے میوزیم کے ہال کے اندر داخل ہو گئے تھے..... یہاں چھت کے اوپر دیکھا تو مصنوعی ستارے اور آسمان دکھائی دیا..... یعنی آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں سے چھت کو بنایا ہوا تھا۔ موٹے موٹے پلز جن کے اوپر سنہری کام ہوا تھا۔

سارے ہال کی دیواروں پر سٹیچوز جو کہ سمنٹ اور میٹل سے بنے تھے..... دیواروں کے ساتھ ساتھ لگے تھے چین کی پوری ہسٹری اس میوزیم میں بنائی ہوئی تھی..... فرش اس قدر چمک رہے تھے..... ان لوگوں نے اتنی محنت سے اپنے ملک کو بنایا اور سنوارا ہوا تھا جیسا کہ میں لکھ چکی ہوں..... ان لوگوں نے بیحد ترقی کی ہے پوری دنیا میں چھائے ہوئے ہیں..... جس چیز کو ہاتھ لگاؤ تو اس پر لکھا ہوا ہوگا میڈ ان چائنہ..... سو..... اس طرح اپنی ہسٹری قائم رکھنے کے لیے انہوں نے اپنے میوزیم کی نگہداشت کی ہوئی تھی..... بہت سے چائنیز اپنے خاندانوں کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے..... چھت پر چاند ستاروں کا سیٹ بھلا دکھائی سے رہا تھا..... دیواروں سے لگے ہوئے بت یوں معلوم ہونے لگا تھا کہ ابھی بول پڑیں گے..... اس خاتون کا نام بھی شہناز تھا..... جو اتنی آہستگی سے بات کرتی..... لگتا تھا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں..... اہل زبان لگ رہی تھیں ..... آٹھ ماہ ہوئے گئے تھے چین آئے..... سارے میوزیم کی سیر کر چکی تھی۔

یہاں پر راہداریوں پر گملوں میں پھول کھلے ہوئے دکھائی دینے لگے تھے..... ہال کے درمیان ایک گول دائرے میں گولڈن جنگلہ لگا تھا..... بہت سے سٹیچوز اس کے اندر دکھائی دے رہے تھے..... سنہری کام سے جنگلہ مرصع تھا..... اس دائرے میں بھی موٹے موٹے پلر دکھائی دے رہے تھے۔

چینی عورتیں نہ خوب صورت اور نہ ہی بدصورت بس گزارہ تھیں..... چینی زبان میں بچوں کو کچھ سمجھا رہی تھیں۔ سکرٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے تھیں..... میں نے شہناز سے پوچھا۔

''کسی زمانے میں یہ مردوں کی طرح لباس پہنتی تھیں۔''

آپ نے ٹھیک کہا لیکن اب یہ بہت تیار ہو کر باہر نکلتی ہیں۔ اچھے اچھے لباس پہنتی ہیں بچوں کو بھی خوب تیار کرتی ہیں ..... ''زمانہ بدل گیا ہے..... انہوں نے سوچا ہوگا کہ ہم کیوں نہ بدلیں..... پھر ترقی بھی تو خوب کی ہے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں''..... نادرہ بھابھی نے کہا۔

''یہ دبلی پتلی بہت ہیں اپنے آپ کو مین ٹین کیا ہوا ہے۔''

''صبح کام پر آتے ہوئے گھنٹہ بھر سائیکل چلاتی ہیں۔اس طرح واپسی پر بھی تو سمارٹ تو خود ہی ہو جائیں گی''..... شہناز کی بات بالکل درست تھی..... بیجنگ میں ان کو سائیکلوں پر ہی دیکھا تھا..... دوسرے ملکوں کی طرح یہاں بھی دفتروں' دکانوں اور شاپنگ پلازوں پر خواتین ہی نظر آتی ہیں۔روزی کمانے کے لیے اپنے شوہروں کا بوجھ ہلکا کیا ہوا ہے۔

میوزیم کیا تھا..... منہ بولتی داستان تھی..... چین کے گزرے ہوئے حالات اور واقعات کی..... میوزیم سے فارغ ہو کر باہر آئے تو اس عجائب گھر کے چاروں طرف شہر کی رونق اور ٹریفک تھی..... گاڑیاں کہیں اور پارک ہوئی تھیں..... باہر نکل کر آئی تو گھڑی دیکھی اس وقت تین بجے ہوئے تھے..... ابھی خاصا وقت تھا۔

باہر شہر کی رونق کو دیکھنے لگی تھی۔گاڑیاں بسیں اور سائیکلیں..... چل رہی تھیں..... لوگ اپنے اپنے کاموں پر آ جا رہے تھے..... اپنی دنیا میں مست..... بغیر کسی سے دخل اندازی کئے..... میوزیم میں جانے کے لیے کچھ اور لوگ بھی آ گئے تھے۔

چیف جسٹس آف پاکستان ارشاد حسن خاں اور ان کے وفد کے ممبران نے 04:50 بجے' ٹائنامن سکوئیر کے سامنے عالی شان بلڈنگ جن کے چیئرمین لی ینگ تھے۔ان کے ساتھ میٹنگ تھی۔چیرمین کی اہلیہ بھی اس میٹنگ میں آ رہی تھی۔سو ہم میوزیم کے لیے جا رہی تھیں تو کہا گیا کہ واپسی پر 04:50 کے قریب اس بلڈنگ میں پہنچ جائیں تا کہ آپ لوگوں کو بھی ان سے ملوا دیا جائے۔

جونہی میوزیم دیکھنے سے ہم فارغ ہوئیں تو ہمارے گائیڈ لڑکے نے کہا۔''آپ کو میٹنگ میں شرکت کے لیے ۴.۵۰ بجے میرے ساتھ جانا ہوگا۔لی ینگ صاحب کی وائف بھی اس میٹنگ میں شرکت کے لیے آ رہی ہیں۔''میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہے آتے ہوئے مجھے اطلاع دی گئی تھی''میں نے گھڑی کی جانب دیکھا تو اس وقت ساڑھے تین بجے ہوئے تھے۔

''یہاں سے کتنی دور ہے وہ بلڈنگ جہاں پر میٹنگ ہونی ہے۔''

وہ فوراً جواب دیتے ہوئے بتانے لگا۔

''میڈم یہاں سے دس منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔''

تو کیا کیا جائے۔؟

''میڈم ایک گھنٹے کا وقفہ ہے بہتر یہی ہے کہ اس میوزیم کی بیسمنٹ میں ایک اور آرٹ کا عجائب گھر ہے..... آپ کو ضرور اچھا

لگے گا۔"

"اچھا"..... میں نے دھیرے سے جواب دیا..... نادرہ بھابھی کی تجویز تھی کہ باہر کھلے دلان پر سیر کی جائے .....اس دالان کے سنٹر میں چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی..... پانی کم ہونے کی صورت میں اس کے نیچے میٹل سے تیار کئے تمام جانوروں کی تصویریں نظر آ رہی تھیں..... میں نے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں جانوروں کی تصویریں کیوں ہیں۔" وہ کچھ بتانے لگا تھا خاص چین کا رہنے والا تھا ٹوٹی پھوٹی انگریزی کے علاوہ اسے کچھ نہیں آتا تھا..... پورا سمجھا نہیں سکا تھا..... شہناز پاکستانی ایمبیسی کی جانب سے آئی تھی اور آٹھ ماہ کی مدت میں کافی حد تک چائینز کی انگریزی کو سمجھ چکی تھی۔ وہ بتانے لگی۔

"ہر جانور کو شگون کے طور پر لیتے ہیں" اگر شیر ہے تو خوشی کی علامت سمجھتے ہیں..... یعنی انہوں نے بدھاازم کو ہر جگہ اپنایا ہوا ہے..... "اگر یہیں پر سیر کرنی ہے..... تو نیچے بیسمنٹ پر چلے چلتے ہیں سیر بھی کر لیں گے اور آرٹ کے نادر نمونے بھی دیکھ لیں گے۔

"یہ ٹھیک ہے"..... نادرہ بھابھی نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ہم دونوں اس لڑکے کے ساتھ لفٹ سے نیچے بیسمنٹ میں اتر کر بڑی سی راہداری کو پار کرنے لگی..... کشادہ راہداری جہاں چاروں طرف چائینز بڑے بڑ قد آور پھول دان اور چھوٹے چھوٹے سرخ پھولوں کے گملے قطار کی صورت میں سارے راستے اس راہداری کی زینت بنے ہوئے تھے۔ لال پھول چاروں طرف اپنی بہار آپ دکھا رہے تھے..... اتنے سارے نیچرل پھول دیکھ کر میں نے شہناز سے پوچھا۔

"بہت عمدہ پھول ہیں۔"

اس نے جھک کر پھولوں کو چھوا تو وہ آرٹیفیشل تھے..... "ارے یہ تو آرٹیفیشل ہیں"

"واہ بالکل نیچرل لگ رہے تھے"..... باتیں کرتے ہوئے وہ لڑکا ہمیں ایسے کمرے میں لے گیا..... جہاں پر دو بڑی بڑی سکرین پر فلمیں چل رہی تھیں..... سکرین کے سامنے لوگوں کے لیے کرسیاں بچھی تھیں..... جہاں لوگ مزے سے فلمیں دیکھ رہے تھے..... یہاں فلموں کے ذریعے چائنہ کے کلچر کو نمایاں طور پر دکھایا جا رہا تھا۔ اس میں چائنہ گریٹ وال دکھا رہے تھے ..... کہ لوگ کس طرح ذوق اور شوق سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہر منزل کو انجوائے کر رہے تھے..... کئی لوگ تو اس کی چوٹی پر پہنچتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے..... اور کچھ مظلوم لوگوں کے بت منہ بولی داستان سنا رہے تھے..... جنگوں میں کسی کی

ٹانگ کٹ گئی تھیں اور کسی کی زبان..... کسی کا دھڑ غرض کہ اذیت ناک منظر پیش کئے جا رہے تھے..... اتنا خوف ناک منظر دیکھ دیکھ کر دل دہل رہا تھا..... یہ دیوار چین کے بننے سے پہلے کے منظر دکھا رہے تھے۔

وہاں پر ایک جوسز اور پانی کا سٹال لگا ہوا تھا..... وہ لڑکا پانی اور اورنج جوس لیکر آیا تھا..... نادرہ بھابھی نے پانی لے لیا تھا میں نے اورنج جوس لیا تو شہناز نے اس سے کہا۔

''میرے لیے بھی اورنج جوس لے آؤ۔''

''جوس''

وہ نفی میں سر ہلانے لگا..... تو میں نے مسکراتے ہوئے اورنج جوس کے اوپر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''برنگ دیس''

''او'' وہ مسکراتا ہوا سٹال سے جوس لے آیا۔

''توبہ ہے ان سے بہت مغز کھپائی کرنی پڑتی ہے''

''یہ تو بہت سمجھ لیتا ہے..... کچھ نہ پوچھیں آٹھ ماہ پہلے میں اسلام آباد تھی اور ہمارا تبادلہ یہاں ہو گیا تھا مجھے بھی شروع شروع میں بہت دشواریاں اٹھانی پڑی ہیں۔ زبان کا بہت مسئلہ ہے..... انگریزی سیکھی تو ہے مگر اچھی طرح انہیں نہیں آتی ہے .....اور جو میرے ملازم تھے انہیں تو بالکل ہی نہیں آتی تھی..... بس میں نے ہمت کر کے کچھ لفظ سیکھ لئے ہیں مگر ایک لفظ بھی غلط بول دیا تو اس کا مطلب ہی بدل جاتا ہے..... صحیح لفظ سیکھ کر بولنا پڑتا ہے..... ''تمہارے کتنے بچے ہیں'' میں نے پوچھا۔

''ماشاءاللہ چار بیٹیاں ہیں..... پندرہ سال شادی کو ہوئے ہیں بڑی بیٹی چودہ سال کی ہے..... فورن سروس میں جہاں آرام ہیں وہاں بچوں کی پڑھائیوں کا بہت مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے..... ایک جگہ بچے سکول میں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ٹرانسفر ہو جاتی ہے..... ظاہر ہے وہاں کے سکولوں سے اٹھا کر نئے سٹیشن یا دوسرے ملک ان کو پڑھنے کے لیے ڈال دیا جاتا ہے .....بڑی بیٹی او لیول کر رہی ہے..... خدا کرے کہ ابھی پوسٹنگ کہیں نہ ہو''..... بڑی دھیمی اور سادی طبیعت کی اچھی شخصیت کی خاتون لگ رہی تھی..... وہاں سے نکل کر ہم ایکسلیر لیٹر کے ذریعے اوپر آئے تو اسی جگہ جہاں ندی کا پانی جانوروں کے بتوں کے اوپر چلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا..... وہاں سیر کرتے ہوئے اس لڑکے سے پوچھا۔

''تمہارے والدین بھی Beiging میں ہوتے ہیں'' وہ مسکرایا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بتانے لگا۔

''میں یہاں رہتا ہوں مگر والدین چائنہ کے دوسرے شہر میں رہتے ہیں۔ پڑھائی کے غرض سے یونی ورسٹی میں داخلہ لیا تھا..... مگر پارٹ ٹائم پر کام بھی کر لیتا ہوں۔''

''کتنے بہن بھائی ہو۔''

''میں اکیلا ہی ہوں''..... پھر مجھے یاد آ گیا کہ یہاں کا لاء ہے کہ بچہ صرف ایک ہو..... ظاہر ہے یہ اکیلا ہی ہوگا۔''

''والدین کو یاد کرتے ہو۔''

''ہاں یاد آتے ہیں..... لیکن مصروفیت کی وجہ سے کبھی کبھی بھول بھی جاتا ہوں..... مگر میری ماما مجھے بہت یاد کرتی ہیں۔''

اس کی بات صحیح بھی تھی کہ اولڈ ایج میں بچے روزگار کے لیے نکلتے ہیں تو بوڑھے والدین اکیلے رہ جاتے ہیں اور عمر بھر بچوں کے لیے روتے رہتے ہیں۔ سیر کرتے ہوئے دائیں اور بائیں سڑکوں پر گاڑیاں آ جا رہی تھیں..... شام ہونے کو تھی ابھی پندرہ منٹ باقی تھے تو اس نے کہا۔ ''کتنی دیر میں چلیں گی''

''ابھی چلو''..... اسے ایک دم ایسا لگا کہ کرنٹ لگ گیا ہو..... وہ بھاگا اور ڈرائیور کو دور سے اشارہ کرنے لگا ڈرائیور نے اسے آتا دیکھ لیا تھا دالان کی سیڑھیاں جو کہ نیچے سڑک پر کھڑی گاڑیوں کی طرف جاتی تھیں..... یہ میوزیم کا اندر جانے کا خاص راستہ تھا..... ڈرائیور نے گاڑی میوزیم کے باہر روک دی۔ میں اور نادرہ بھابھی بیٹھ گئیں شہناز دوسری گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ہم سے خدا حافظ کہہ گئی تھی..... وہ اپنی بچیوں کے پاس گھر کی طرف روانہ ہو گئی تھی اور ہم جہاں میٹنگ ہونی تھی وہاں جانے کے لیے رواں دواں تھیں۔

وہ عمارت دس منٹ کی ڈرائیو سے پہلے ہی آ گئی تھی بہت خوب صورت عمارت قریب سے دکھائی دینے لگی تھی۔

میں نے نادرہ بھابھی کی جانب مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

تقریباً اکثریت چائینز کی فلیٹوں میں گزارہ کرتی ہے..... مگر سرکاری عمارتیں بیحد خوب صورت ہیں..... جب گاڑی سے اتر کر اندر جانے لگے تو مرد صاحبان کسی اور میٹنگ سے اٹھ کر لابی میں ہمارا انتظار کر رہے تھے تاکہ ہمیں اپنے ہمراہ اندر لیجا سکیں ..... ریاض کھوکھر اور ان کی اہلیہ سفیر پاکستان ہمارے ساتھ اندر جانے کے لیے لابی میں انتظار کر رہے تھے..... ہم سب چیف جسٹس آف پاکستان ارشاد حسن خاں کے ہمراہ ہال کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

نیشنل کانگرس جس کو چائنہ کی اسمبلی بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ بلڈنگ ٹائنامن سکوئیر کے سامنے واقع تھی۔ خوب صورت راہداریوں اور بڑے بڑے ہال سے گزرتے ہوئے مین ہال کی جانب بڑھے ریسپشن پر لڑکیاں پھول لیکر کھڑی تھی۔ لی پینگ اوران کی اہلیہ نے ہمیں خوش آمدید کہا..... چیف جسٹس ارشادحسن خاں کے ساتھ ان کا وفد بھی تھا۔ لی پنگ مسکراتے ہوئے ہرایک کے ساتھ مل رہے تھے روشنیوں سے وہ کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا..... سجاوٹ کی ہر چیز چائنہ کی معلوم ہورہی تھی۔ قدآدم آرائشی بڑے بڑے پھول دان۔ چھت پر خوب صورت کام اور اس کے درمیان بڑے بڑے شینڈ لیر سارے کمرے میں روشنی بکھیر رہے تھے۔ دیواروں پر نظر پڑی تو پوری دیوار پر پینٹنگ اوراس کے عین سامنے والی دیوار پر بھی پینٹنگ تھی بڑے بڑے تھم جن پر سنہری کام ہوا تھا۔ صوفہ نما کرسیوں پر مخصوص لوگ براجمان تھے۔ چین کے چیف جسٹس۔ دیگر جج صاحبان کے علاوہ پاکستانی سفیر ریاض کھوکھران کی اہلیہ اور ہمارا وفد جن میں چیف جسٹس ارشادحسن خاں ان کی اہلیہ۔ جسٹس قاضی فاروق۔ جسٹس دہدارشاہ۔ جسٹس افتخار چوہدری۔ لاء سیکرٹری فقیر محمد کھوکھر۔ اور فقیر حسین لاء کمیشن کے سیکرٹری۔ جسٹس ریاض اور میں بھی موجود تھی۔

میٹنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ چیف جسٹس ارشادحسن خاں نے چین کی لازوال دوستی کا تذکرہ کیا اور کہا۔

''چین اور پاکستان کی دوستی شہد سے زیادہ میٹھی ہے سمندروں سے زیادہ گہری اور ہمالہ پہاڑ سے اونچی'' اور مزید کہا۔

چین کے چیف جسٹس نے ہمارے وفد کا پرتپاک استقبال کیا ہے اور پہلی بار چین اور پاکستان نے ایک دوسرے کی عدلیہ سے تعاون کے معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔ جو کہ پاکستان اور چین کی دوستی کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور ارشادحسن خان نے خوب صورت لفظوں میں وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا۔

''ان کے چیف جسٹس کے درمیان باہمی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ دونوں ممالک کا مسئلہ لوگوں کے مسائل اور خاص کر غریبوں کو انصاف پہچانا ہے۔ ان کی اولین اہمیت ہے۔ اور جنرل پرویز مشرف کی نیک خواہشات کا پیغام بھی دیا اور قانون کی عمل داری پر زور دیا۔ چیف جسٹس ارشادحسن خاں نے چین کی ماتحت عدلیہ کے تین جج صاحبان کو پاکستان میں فیڈرل جوڈیشل اکیڈمی میں ٹریننگ کے لیے مدعو کیا۔

لی پنگ جو کہ نہایت ہی منجھے ہوئے سیاست دان ہیں اور مرحوم چوہن لائی کے خاص معتمد تھے اپنی تقریر میں وفد کو خوش آمدید کہا اور بتایا کہ پاکستان کے مسائل بحوالہ انصاف چین کے یکساں ہیں۔ گو کہ قانونی نظام مختلف ہے دنیا کے امن کے لیے قانون کی عمل داری نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے چین کے قانونی نظام میں تبدیلیوں اور نئی قانون سازی سے آگاہ کیا..... پاکستان کے چیف

جسٹس ارشاد حسن خاں صاحب انگریزی میں تقریر کرتے اور چین کا مترجم اسے چینی زبان میں ٹرانسلیٹ کرتا اور جب لی پنگ تقریر کرتے تو مترجم انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کرتا۔ گو کہ چین نے کافی ترقی کر لی ہے مگر زبان کے معاملے میں انہوں نے اتنی ترقی نہیں کی ہے..... انگریزی اول تو آتی ہی نہیں ہے اور کچھ لوگ سیکھ بھی لیتے ہیں تو ٹھیک طرح سے نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی بول سکتے ہیں..... اس لئے جب بھی اس طرح کی تقریب ہوتی مترجم ضرور دوسرے ملک سے آئے ہوئے شخص کا ترجمہ کرتا تا کہ تقریب میں بیٹھے ہوئے حضرات جان سکیں کہ کس موضوع پر بات ہو رہی ہے..... تقریروں کا سلسلہ جاری تھا۔ تو چند لڑکیاں نیم گرم پانی سے گیلے تولیے سب کے لیے لے آئی تھیں۔ ہر کوئی اس سے منہ اور ہاتھ صاف کر رہا تھا..... مشروب ہر طرح کے سرو ہونا شروع ہو گئے تھے.....

چائنہ میں چیف جسٹس آف سپریم کوٹ۔ لی ینگ اور دیگر بڑے افسران ارشاد حسن خاں اور ان کے وفد کا پر جوش محبت اور خلوص سے خیر مقدم کیا تھا.....

لی پنگ کی اہلیہ..... بڑے وقار کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں..... ان کے لبوں پر مسکان تھی..... انہیں بھی پاکستانی وفد کا آنا اچھا لگا تھا..... سب اپنی پسند کا مشروب پی رہے تھے..... چائنہ کے ٹی وی اسٹیشن، ریڈیو اسٹشن سے آئے ہوئے لوگ مووی بنانے میں مصروف تھے..... رات کی خبروں میں اس میٹنگ کی کاروائی بتائی جانی تھی..... یہ بات پاکستان کے حق میں بڑی فخر والی بات تھی کہ کس طرح سے پاکستان کے چیف جسٹس نے اپنے ملک کا نام روشن کیا ہے..... ارشاد حسن خاں بڑے محنتی اور ملک سے محبت کرنے والے شخص ہیں۔ بڑی ذہانت سے دوسرے ملک میں جا کر اپنے ملک کی بھرپور پہچان کروائی ہے..... یہ بات قابل فخر ہے..... ان کی اہلیہ گو کہ کم گو خاتون ہیں مگر ملک کی بہتری کے لیے وہ بھی سرگرداں ہیں۔ ان کے شوہر دن رات اپنے کاموں میں اور ملک کی بحالی کے لیے محنت کرتے ہیں یہ ان کے راستے میں نہیں آتی۔ کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتی ہیں یہ بھی بڑے فخر والی بات ہے..... کہ انہیں اپنے ملک میں بسنے والے کوگوں کی بے بسی کا احساس ہے..... ہال کی تیز روشنیوں کی وجہ سے دن اور رات کا فرق مٹ گیا تھا..... فانوس سے اٹھتی ہوئی روشنیاں چھن چھن کرتی ہوئی ہر چیز کو نمایاں کر رہی ہیں..... لی پنگ نے ایک بار پھر چیف جسٹس آف پاکستان کا بھرپور طریقے سے شکریہ ادا کیا کہ وہ ہم لوگوں کے کہنے پر اپنے وفد کو لیکر چائنہ آئے .....اور اس طرح چیف جسٹس ارشاد حسن خاں صاحب نے بھی شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا کرے یہ دوستی ہمیشہ قائم رہے

.....

پھر تقریب کے اختتام میں پاکستان سے لائے ہوئے تحائف ارشاد حسن نے لی پنگ اور ان کی اہلیہ کو دیئے..... جواب میں انہوں نے بھی چائنہ کا تحفہ ان کی نذر کیا..... پھر اس کے بعد سب لوگ ٹولیوں کی صورت میں گفتگو میں مصروف ہو گئے تھے ..... پاکستانی سفیر کی اہلیہ شہناز جو کہ نہایت ہی دلچسپ شخصیت کی مالکہ ہیں اپنی خوب صورت باتوں سے سب کا دل بہلاتی رہی ہیں ..... چائنیز کھانے پاکستانی وفد کے لیے نہایت ہی بھاری تھے تو انہوں نے کہا ہوٹل میں تو کھانا وفد کے لیے اور چینی صاحبان یعنی چیف جسٹس آف چین اور سپریم کورٹ کے ججز کے لیے دینا ہی ہے..... بہتر ہے کہ یہاں سے مشروب پینے کے بعد آپ لوگ گھر پر تشریف لائیں میں آپ لوگوں کو پاکستانی کھانا کھلاتی ہوں..... پھر کہا تھا پاکستانی کھانے کے نام سے کسی میں اتنی جرات نہ ہوئی کہ کہہ سکیں ہم نہیں آتے..... گھاس پھوس کھا کر ہم لوگ تنگ آ گئے تھے..... لہٰذا طے یہ پایا کہ Opera تھیٹر دیکھنے کے بعد ہم لوگ آپ کے گھر پہنچ جائیں گے۔

چین میں شام چھ بجے لوگ کھانا تناول کر لیتے ہیں مگر شہناز نے کہا۔

''آپ تھٹر سے ہو کر آئیں تو تب تک میں کھانے کی تیاری کر لیتی ہوں..... گو کہ ملازم بھی ہیں مگر میں کھانا اچھا بنا لیتی ہوں'' ..... سب نے اقرار کر لیا کہ تھیٹر کی واپسی پر کھانے کے لیے ان کے گھر آئیں گے۔

لی پنگ اور مسز لی پنگ نے ہمیں خدا حافظ کہا۔

باہر نکل کر سب لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے ۵۰..... :۷ بجے اوپرا دیکھنے کے لیے جانا تھا ..... نیچے لابی میں سب مرد حضرات بیٹھے تھے..... ٹیلی ویژن پر شام کی میٹنگ کے بارے میں دکھایا جانا تھا..... میں نادرہ بھابھی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی..... تھوڑی دیر آرام کرنا اور چائے پینا چاہتی تھی..... ابھی کیٹل سے چائے کپ میں ڈالی ہی تھی کہ نیچے سے فقیر حسین صاحب کا فون آ گیا تھا''..... نیچے آئیں NEWS آ رہی ہیں..... جلدی جلدی چائے پی اور نادرہ بھابھی کے ساتھ لابی میں آئی تو خبروں میں شام کی میٹنگ کے بارے میں بتایا جا رہا تھا..... اور پاکستانی وفد کو خوش آمدید..... اور داد تحسین دیتے ہوئے لی پنگ اور چیف جسٹس ارشاد حسن خاں اور ان کے وفد کو خبروں کے پروگرام میں دکھا رہے تھے..... پاکستانی سفیر ریاض کھوکھر اور ان کی اہلیہ بھی نمایاں طور پر وفد کے ہمراہ تھیں۔

خبریں ختم ہو چکی تھی۔ سوا سات بج رہے تھے سب ایک بار پھر گاڑیوں میں بیٹھ کر اوپرا کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

راستے میں بیجنگ شہر سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ عمارتوں پر روشنیاں چھن چھن کرتی سڑکوں کے کنارے پر لگے درختوں کو منور کر

رہی تھیں..... ٹریفک اس وقت کم تھی۔ بسوں اور سائیکلوں کی بھرمار نہیں تھی۔ گاڑی چلانے والے چینی اوپرا لے جانے والے چینی غرض کہ چین کا وہاں راج تھا۔ اکثریت انہی لوگوں کی تھی۔

گاڑی میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میرے میاں حسب معمول خاموش تھے..... اور عمارتوں کی جانب دیکھ رہے تھے ان کا بھی پہلا ٹرپ تھا..... کوئی خاص معلومات نہیں تھی جو میں ان سے پوچھتی کہ فلاں بلڈنگ کون سی ہے..... ویسے بھی بیویوں کے پاس بیٹھے ہوئے شوہر خاموشی سے کام لیتے ہیں ڈالرز کا مطالبہ نہ ہو جائے۔ گھلتے ملتے نہیں انہیں خوف دامن گیر رہتا ہے کہ روپوں کے مقابلے میں یہاں ڈالرز چلتے ہیں اور ڈالرز ہماری کرنسی کے حساب سے خاصے مہنگے پڑتے ہیں..... لہٰذا شرافت سے کام لیتے ہوئے پردیس میں مہذب رہتے ہیں..... اور اپنا وقت خاموشی سے پاس کرتے ہیں..... کہیں شاپنگ کی ٹیک نہ پڑ جائے۔ مجھے معلومات رکھنے کا شوق ہوتا ہے اگر پوچھ بھی لوں کہ یہ فلاں جگہ کون سی ہے تو جھٹ جواب ملے گا..... میں یہاں کا رہنے والا تھوڑی ہوں..... اور پھر خاموش ہو جاتے ہیں..... یہ ایک شوہر کی بات نہیں تمام مرد حضرات اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ خیر راستے میں فلیٹ شروع ہو گئے تھے..... جہاں ہلکی ہلکی روشنیاں تھیں..... ڈاون ٹاون کا علاقہ تھا۔ عمارتوں اور اپارٹمنٹ سے گزرتی ہوئی گاڑی Opera تھیٹر کے سامنے رک گئی تھی۔

بیجنگ اوپرا میں نیشنل اوپرا ہے۔ یہ تھیٹر کے شوقین لوگوں اور صحافیوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کی ابتدا ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔ اور چائینز شہنشاہ Xianfwn کی حکومت میں ۱۹۵۰ء میں اپنی موجودہ شکل میں آیا..... یہ بیجنگ اوپرا انسٹیٹیوٹ کے بڑے تین اوپرا گروپوں میں سے ایک ہے۔ Yasnqiu and Huisheng یہ دو ایکٹر تھے جو خواتین کا رول ادا کرتے تھے۔ لوگ اس وقت ان کو بہت انجوائے کرتے تھے۔ کافی عرصے کے بعد عمر رسیدہ ہوئے تو انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا اس کے بعد نوجوانوں نے ان کی جگہ لے لی اور خوب نام کمایا۔ بیجنگ میں تھیٹر اور اوپرا ابھی تک اسی طرح مقبول ہے جیسے کہ آغاز میں تھا۔ لوگوں کی تفریح کے لیے بہترین سمجھا جاتا ہے..... تھیٹر کے باہر خاصا رش تھا بڑے بڑے پوسٹر ایکٹرسوں کے لگے تھے۔ کافی لوگ اندر جا چکے تھے۔ اندر داخل ہوئے کو بہت بڑا ہال تھا جہاں پر چار چار لوگوں کے لیے میز لگے ہوئے تھے..... یعنی اوپرا دیکھنے کے ساتھ ساتھ لوگ ڈنر بھی کھا رہے تھے۔ ویٹر ہر نئے آنے والے لوگوں کے ہاتھ میں کھانے کا مینو تھما رہے تھے..... ہال میں اندھیرا تھا بڑی مدھم روشنیاں تھیں..... تاکہ ویٹر آسانی سے لوگوں کو سروس کر سکیں..... ہاں البتہ تیز روشنیاں سٹیج پر تھیں..... شو ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ میں نے آس پاس کی میزوں کی جانب دیکھا تو اس وقت چینی خواتین بمعہ اپنے شوہروں کے سجی بنی پرلز کے

زیورات پہنے کھانا تناول کر رہی تھی..... ایک زمانہ وہ تھا کہ جب چینی خواتین کے بارے میں سنا تھا کہ یہ پینٹ اور کوٹ وہ بھی زین کا پہنتی ہیں..... ان کے حلئے سے کوئی بھی پہچان نہیں پاتا کہ اس ہجوم میں مرد کون سے ہیں اور عورتیں کون سی..... مگر اب زمانہ بدل گیا تھا۔ بیجنگ نے کافی ترقی کر لی تھی۔ یہاں پر بے شمار ہوٹل بن گئے تھے..... اس طرح شاپنگ پلازہ بھی تھے .....دن بدن یہ شہر پھیل رہا تھا۔ ارشاد صاحب اور نادرہ بھابھی ہمارے میز پر براجمان تھیں باقی کے ممبرز آس پاس کی میزوں پر بیٹھے تھے..... اس وقت تمام وفد بمعہ چیف جسٹس ارشاد حسن خاں کے ٹین ایجرز دکھائی دے رہے تھے..... خوشی خوشی۔ ہنسی مذاق کرتے ہوئے آپس میں محو گفتگو تھے..... اناوسمنٹ ہونے لگی اور سٹیج کا پردہ ہٹا تو خوب صورت لڑکیاں ناچ کرنے لگیں ..... سٹیج کے دائیں کونے پر پیانو پر چار پانچ لوگ تھے..... ایک پیانو بجانے ویلا۔ دوسرا ستار اور دو تین گانے والے ..... گانے اور میوزک کی لے اس طرح تھی کہ ناظرین بیٹھے ہوئے ان لڑکیوں کا ناچ دیکھ رہے تھے ساتھ ساتھ گانے کے ذریعے سمجھ بھی رہے تھے..... لڑکیوں کے احساسات اور چہرے کے تاثرات اس قسم کے تھے کہ سمجھنے میں تھوڑی سی آسانی ہوگئی تھی۔ تھوڑی اسلئے کہ چینی زبان میں گانا گایا جا رہا تھا..... لیکن اسٹیج کے باہر دیوار پر دائیں اور بائیں انگریزی میں سلائیڈ باقاعدہ آ رہی تھی۔ پھر پوری سمجھ آنے لگی تھی۔ اس گانے کے بعد لڑائی کا کرتب بڑے خوب صورت انداز میں دکھایا جانے لگا تھا..... ایک لڑکی اس لڑائی میں سب کی تلواریں اپنے پاؤں سے اچھال کر دور پھینکتی تھی..... اس کے بعد لڑکیوں نے ڈانس کرنا شروع کر دیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور پاؤں کی نازک لڑکیاں نیلے اور سفید لباس میں شوخ میک اپ کئے ناچ رہی تھیں..... میں نے ہال میں نظر دوڑائی تو اس وقت سارا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا..... لوگ ابھی تک اس ملک میں Opera دیکھنے کے شوقین تھے۔

خاموشی سے لوگ دیکھ رہے تھے..... اس تھیٹر میں ان کا کلچر بھی واضح ہو رہا تھا..... محنتی قوم ہیں اور فراغت میں تفریح کرنا ان کا حق سمجھا جاتا ہے۔

چینی دولڑکے گائیڈ اور ایک لڑکی برابر ہمارے ساتھ ہر جگہ جاتے اور مقامات کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کرتے۔

اس ناچ گانے کے بعد اسٹیج پر بتایا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کو خواب میں خوب صورت لڑکی دکھائی دیتی ہے..... اس کو پانے کے لیے وہ اداس رہتا ہے..... پھر ایک سیٹ پر شہنشاہ گانا گاتا ہے اور اس کی رعایا جھنڈے لیکر کھڑے ہوتے ہیں..... پھر مخالف پارٹی جھنڈا لہرا کر لڑائی کرتے ہیں..... آخر میں شہنشاہ کی جیت ہوتی ہے..... اداسی میں وہ آسمان کی جانب دیکھتا ہے تو بادلوں سے ایک خوب صورت لڑکی جو اس نے خواب میں دیکھی ہوتی ہے اترتی ہے..... اس طرح وہ دونوں مل جاتے ہیں

..... سیٹ اتنے خوب صورت لگے ہوئے تھے کہ مصنوعی بادل اسٹیج کے اوپر بنائے ہوئے تھے۔

شو کے اختتام پر لوگ خوشی سے اٹھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو ہال کی روشنیوں میں چائنیز خواتین جو کہ پہلے لکھ چکی ہوں مناسب شکل وصورت کی تھیں۔ انہیں بہت خوب صورت نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن اپنے آپ کو بہت بنایا سنوارا ہوا تھا..... عمر رسیدہ خواتین بھی سمارٹ دکھائی دے رہی تھیں..... یہ سب ان کے سائیکل چلانے کا کمال تھا..... ویسے بھی ان کے کھانے ہماری طرح مرغن نہیں ہوتے ہیں۔ ارشاد بھائی اپنی اہلیہ کے ساتھ باہر کو لپکے اور ساتھ ساتھ انہیں اپنے وفد کا بھی بڑا خیال تھا۔ میں نے سارا دن ان کو سب کا خیال کرتے دیکھا تھا..... ارشاد بھائی جب بہت خوش ہوتے تو اپنے کورٹ پر سرخ گلاب کا پھول ضرور لگاتے تھے۔

سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گئے..... انہیں سڑکوں پر گزرتے ہوئے ہم سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کی طرف بڑھ رہے تھے .....ان کے کورٹ پر لگا پھول مسکرا رہا تھا۔

صبح پانچ بجے ہی میری آنکھ کھل گئی تھی۔ پاکستان اور چین کے وقت میں فرق ہونے کے سبب آنکھ جلدی کھلی تھی۔ کمرے کے پردے ہٹائے تو باہر بڑا دل فریب منظر تھا۔ بادل آسمان پر رقص کررہے تھے..... ہلکی ہلکی ہوا سے سبزہ اور درخت جھومتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے..... چار سو خاموشی چھائی تھی۔ سات بجے ٹھیک ناشتے کے لیے نیچے جانا تھا۔ آج ہم دیوار چین Wall of China جارہے تھے..... چین میں آکر اس کو نہ دیکھا تو بات نہیں بنتی تھی۔ یہ چائنہ کی مشہور دیوار تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد میں نیچے چہل قدمی کے لیے چلی گئی تھی عمارت کے دائیں جانب جہاں دوسرا سٹیٹ گیسٹ ہاؤس شروع ہوتا تھا گھنے درخت سر جوڑے کھڑے تھے..... موسم بالکل ہمارے پاکستان کی طرح تھا جیسا کہ ستمبر اکتوبر میں ہوتا ہے۔ اتنی گرمی نہیں تھی کہ انسان جھلس کر رہ جائے۔

بائیں جانب تالاب اور آبشار تھی۔ آبشار سے گرتا ہوا پانی تالاب میں ہلچل مچا رہا تھا..... پیلے لباسوں میں ویٹرس لڑکیاں صبح سویرے ہی جاگ گئی تھیں..... وہ دروازے کے باہر کھڑی مجھے گھومتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ میں سات بجے تک اس نظارے کو اپنی آنکھوں میں بند کرلینا چاہتی تھی۔ صاف شفاف سڑک باہر گیٹ تک جاتی تھی کئی اور سڑکیں تھیں جو تمام گیسٹ ہاؤسز کے اردگرد گھومتی تھیں..... وقت دیکھا تو سوا سات بج گئے تھے..... مجھے خیال آیا کہ اوپر جاکر دیکھنا چاہیے ریاض نیچے آنے کے لیے تیار ہوئے ہیں کہ نہیں..... جونہی میں اوپر جانے کے لیے ڈائنگ روم سے گزری تو وہ باقی لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے

.....ارشاد صاحب اور نادرہ بھابھی کا انتظار تھا میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ دیدار صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بھابھی میں اہلیہ اور بچوں کے لیے شاپنگ کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے کہ یہاں پرلز بہت اچھے ملتے ہیں؟۔''

میں ایک دم سے چونکی ''ارے یہ تو بولتے بھی ہیں''..... میرے دل میں ان کے بارے میں خیال تھا کہ یہ خاموش ہی رہتے ہیں''..... ابھی ارشاد صاحب نہیں آئے تھے تو افتخار صاحب بھی یہی مطالبہ کرنے لگے..... دھیرے دھیرے..... ان لوگوں نے بات چیت شروع کر دی تھی۔ فقیر محمد کھوکھر اور فقیر حسین نے کوئی مطالبہ نہیں پیش کیا تھا۔

البتہ قاضی فاروق اپنی والدہ کے لیے سلک کا سوٹ لینا چاہتے تھے..... وہ سب گھل مل گئے تھے..... میں نے ان سب کو جواب دیا۔

ایمبیسڈر صاحب کی اہلیہ ہمارے ساتھ جا رہی ہیں ان کی راہنمائی میں آپ لوگوں کی شاپنگ بھی کرلوں گی..... لسٹ بنا کر مجھے دے دیں۔''

ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ نادرہ بھابھی اور ارشاد بھائی کمرے میں داخل ہوئے تو باتوں کا موضوع بدل گیا تھا حسب معمول دل چسپ باتوں سے کمرے کی فضا میں قہقہے گونجنے لگے تھے..... ان کو شاپنگ کی فکر نہیں تھی بے غم تھے..... مگر نادرہ بھابھی بھی کچھ خریدنا چاہتی تھی..... خیر جلدی جلدی ناشتہ کیا..... فارغ ہوئے تو باہر گاڑیاں Great Wall پر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

سبک رفتار سے گاڑیاں چل رہی تھیں۔ شہر کی سڑکوں پر بدستور سائیکل سوار۔ بسیں موٹریں اور بس سٹاپ پر لوگ نظر آ رہے تھے .....بیجنگ شہر جواب بہت پھیل چکا تھا..... آبادی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس شہر میں فلیٹ ہی فلیٹ تھے..... بڑی بڑی کوٹھیاں اکا دکا تھیں یہاں بھی بسنے والے اپنی دنیا میں مست تھے۔ کسی سے کوئی غرض نہیں تھی..... مصروف زندگیوں میں اتنا وقت کس کے پاس تھا..... گاڑی لیموزین کے پیچھے چلتے ہوئے..... دیوار چین کے قریب کھڑی ہوگئی تھی..... نیچے اتر کر دیکھا تو دور سے ایک بہت بڑا اور اونچا پہاڑ تھا جس پر سیڑھیوں کے ذریعے لوگ اوپر جا سکتے تھے..... کمال اور حیرت کی بات یہ تھی..... کہ لوگ نیچے سے اوپر کئی منزلوں تک اور بعض تو پہاڑ کی چوٹی کے قریب قریب دکھائی دینے لگے تھے۔

ہم بھی سیڑھیاں چڑھنا شروع ہو گئے تھے..... ایک منزل پر پہنچے ذرا بھر سانس لیا اور دوسری منزل تک آرام آرام سے چڑھ گئے۔ پرانے زمانے کی سیڑھیاں جو پرانے پتھروں سے بنی ہوئی تھیں..... کافی چوڑی تھیں..... لیکن اتنی آرام دہ

نہیں تھی کہ پھرتی سے چڑھتے ہی جائیں..... ہمیں اوپر تک چڑھتے ہوئے لوگ دکھائی دے رہے تھے..... ہر منزل پر چھوٹی سی دوکان کھانے پینے کی اور کھانے پینے کے لیے میزیں لگی تھیں..... ہم نے فیصلہ کیا کہ اوراوپر نہیں جاتے یہاں بیٹھ کر اس دیوار کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ نادرہ بھابھی اور ریاض میرے قریب ان کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے..... ارشاد صاحب اپنے وفد کو لیکر اوپر مسلسل سیڑھیاں چڑھ رہے تھے..... لوگوں کا ہجوم برپا تھا..... نعیم صاحب جو پاکستانی کونسلر ہیں گھومتے گھماتے ہمارے قریب آن کر بیٹھ گئے تھے..... میں نے ان سے پوچھا۔

''آپ کبھی پہاڑی کی چوٹی پر گئے ہیں۔''

''کہاں بھابھی..... میں آدھے راستے تک گیا ہوں مگر دو دن تک بستر پر پڑا رہا..... اتنی تھکن ہوگئی کہ بستر سے اٹھنا محال تھا''..... ان کی اس بات سے میں نے اوپر کی جانب دیکھا اور سوچا۔

''یہ لوگ جو اوپر جا رہیں ان کا کیا حال ہوگا''..... لیکن شوق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے..... کئی ٹورسٹ اسی مقصد کے لیے بیجنگ تک آتے ہیں کہ پہاڑ کی چوٹی تک جائیں گے۔

یہ دیوار ۲۰۰ ہزار سال سے زائد پرانی ہے اور چین کا پہلا شہنشاہ Chin Shi Huangoi چن شی ہانگ کے زمانے میں بنی..... آس پاس چھوٹے چھوٹے سٹیٹ تھیں جہاں حملے ہوتے تھے..... ان حملوں کو روکنے کے لیے اور اپنے دفاع کے لیے اس دیوار کو بنایا گیا تھا۔

اس کی لمبائی چھ ہزار چار سو ہے..... یہ دنیا کی سب سے بڑی کنسٹرکشن ہے۔ ۲۰۰ ہزار سے زیادعرصہ ہوگیا ہے اور ایک کرشمے کے طور پر یہ قائم دائم ہے۔ جو کہ ایک کرامت لگتی ہے۔ یہ جنوب کے پہاڑوں پر ہے۔ دیوار کوریہ کے پہاڑوں سے لیکر Gobi کے صحرا تک اس کو دفاع کے لیے بنایا گیا تھا۔

یہ اصلی حالت میں جب بنی تو ۶ ہزار کلومیٹر تھی مگر منگ شہنشاہیت کے دوران یہ چھ ہزار چار سو ہوگئی تھی۔ جب بنی تو ۷.۵ میٹر اور چوڑائی ۴.۵ میٹر سے لیکر ۹ میٹر تک گئی تھی۔

ابھی میں دیوار چین کی سیڑھیوں پر چڑھنے والوں پر غور وخوض کر رہی تھی کہ ارشاد صاحب اپنے وفد کے پھولی سانسوں کے ساتھ واپس جہاں ہم بیٹھے تھے پہنچ گئے..... میں نے ان سے کہا۔

''ارشاد بھائی اچھے جذبات کے ساتھ گئے تھے چوٹی تک جانا تھا''

وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

''دو کلومیٹر تک تو گئے ہیں..... اس کے آگے ہمت نہیں ہے۔''

اس کے بعد بہت ساری تصویریں کھنچوائیں..... اور سب وہاں بیٹھ کر سستانے لگے تھے۔

میری نگاہ ایک دم سے اوپر کی جانب چلی گئی تھی۔ لوگ جوق در جوق اوپر کی جانب بڑھ رہے تھے..... یہ نہیں کہ اکا دکا لوگ تھے۔ بلکہ ایک ہجوم برپا تھا۔ ٹورسٹ نہ جانے کتنی منزلیں طے کر کے یہاں تک پہنچے تھے..... پھر چوٹی پر نہ جانا ان کے لیے مایوسی کی بات تھی۔ بقول نعیم صاحب کے..... یہ لوگ شوق کی خاطر اپنی منزلیں آسان کر لیتے ہیں۔ مگر ہمارے پاکستانی بیچارے اس کو دیکھ ہی لیں۔ منزل دو منزلیں ہی طے کر لیں تو بڑی بات ہے۔

خیر یہاں پر بھی چیف منسٹر صاحب ایک کالج کے اسٹوڈنٹ دکھائی دے رہے تھے..... اس وقت سب وفد کے ساتھ مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر فوٹو میں کھنچوا رہے تھے۔

کوئی اس وقت جج نہیں تھا۔ سیاح تھے..... بس گھوم پھر رہے تھے..... کبھی کبھی ایسا بھی ہونا چاہیے تھا..... آج تو اپنے میاں کو بھی ہشاش بشاش دیکھا تھا..... اس لئے بھی کہ یہاں کوئی شاپنگ سنٹر نہیں تھا..... بس سیڑھیاں ہی سیڑھیاں اس پہاڑ پر جاتی تھیں..... جو آسمانوں کو چھوتا تھا..... جہاں کبھی جانے کی تمنا تھی..... یہ وہی دیوار تھی کبھی کبھی خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اس کو قریب سے دیکھا جائے اس کا نظارہ لیا جائے..... اب قدرت نے یہ خواہش پوری کی تھی..... نہ صرف نظارہ ہی لیا تھا بلکہ چینی لوگوں کا جذبہ بھی دیکھ لیا تھا..... کہ اپنے اس مشن میں کامیاب ہونے کے لیے وہ اوپر ہی اوپر جا رہے تھے ..... دل سے طے کیا ہوا ارادہ ضرور کامیاب ہوتا ہے..... جو سیاح اوپر جا رہے تھے انہوں نے چوٹی تک بھی پہنچ جانا تھا۔

مردوں نے بیجنگ کے کورٹ میں پہنچنے کے بعد جانا تھا اور ہم نے شہناز کے ساتھ شاپنگ پلازہ میں بمعہ اپنے وفد کی لسٹوں کے جانا تھا۔ جو انہوں نے اپنی بیگمات اور بچوں کے لیے چیزیں منگوائی تھیں۔

سفیر پاکستان کی اہلیہ حسب معمول وقت کے مطابق دو بجے کے قریب سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں پہنچ گئیں..... ان کے ہمراہ انیلا پاکستانی کونسلر نعیم صاحب کی اہلیہ تھیں..... سارے ٹرپ میں صرف دو گھنٹے ایسے تھے..... کہ ہم آسانی سے شاپنگ کر سکتی تھیں۔ زبان کا مسئلہ درپیش تھا۔ چینی زبان ہمیں سمجھ میں نہیں آتی تھی انہیں ہماری زبان تو ایک طرف انگریزی تک نہیں آتی تھی ..... لہٰذا شہناز کافی عرصے سے یہاں رہائش اختیار کئے ہوئے تھی اسے کچھ کچھ چینی زبان پر عبور حاصل ہو گیا تھا اور بازار سے

آشنائی ہوگئی تھی۔ شاپنگ کے لیے صرف دو گھنٹے تھے۔ شہناز کا دعویٰ تھا کہ ان دو گھنٹوں میں ساری شاپنگ کروادے گی اپنے بھائیوں کی لسٹوں کے مطابق چیزیں بھی خرید لے گی..... میں حیران تھی کہ بازار میں سروے کرنے کے لیے میں دو گھنٹے لگاتی ہوں۔ اتنی ساری شاپنگ کیونکر ہوسکتی ہے..... میں نے تو خاص کوئی چیز لینی نہیں تھی کہ ہمارے وفد میں آئے ہوئے بھائی کہیں مایوس نہ ہوجائیں۔ لہٰذا میں نے شہناز سے پوچھا۔

''وقت بہت کم ہے..... ڈھیر ساری شاپنگ ناممکن ہے'' وہ مسکرائی۔

''آپ چلیں تو میرے ساتھ پھر دیکھئے میرا کمال'' وہ مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی میں بمعہ انیلا کے بیٹھ گئی اور دوسری گاڑی میں نادرہ بھابھی اور میں.....

گاڑیاں..... شہر کے حدود میں داخل ہوئیں..... اس وقت بیجنگ کی سڑکیں قدرے خالی خالی تھیں..... شاید لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے..... البتہ بسیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں..... گاڑی شاپنگ پلازہ کی طرف مڑگئی تھی ..... پارکنگ جو کہ پلازہ کی بیسمنٹ میں تھا وہاں خالی جگہ دیکھ کر گاڑی کھڑی کی تھی..... سڑکیں خالی خالی جو لگ رہی تھیں وہ بیسمنٹ میں کھڑی لاتعداد گاڑیوں کو دیکھ کر اندازہ ہوگیا تھا لوگ اپنے کام اور آفس آور میں مصروف ہیں..... پارکنگ لاٹ کے دائیں اور بائیں جانب لفٹیں لگی تھیں..... تاکہ ان کے ذریعے ہم اوپر پلازہ میں جاسکیں۔

شہناز بھی اپنی گاڑی سے نکل کر ہمیں دائیں جانب کی لفٹ سے اوپر پلازہ تک لے گئی تھی..... شہناز کی شخصیت ایسی معلوم ہورہی تھی جیسا کہ ہر ایک کا کام کر کے وہ خوشی محسوس کرتی ہے..... لہٰذا پلازہ کے اندر قدم رکھا تو چینی خواتین سارے پلازے پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ پلازہ میرے لئے بالکل نیا تھا اس لئے کہ چینی عورتوں نے سٹال کی صورتوں میں دوکانیں لگائی ہوئی تھیں لندن امریکہ کی نسبت یہاں کا ماحول..... یہاں کی دوکانیں اور یہاں تک کہ لوگ بھی مختلف تھے..... شہناز نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ یہاں پر بارگیننگ یعنی سودے بازی کرسکتے ہیں..... اور خاص کر کے ٹورسٹ کو دیکھ کر قیمت لگاتی ہیں..... چینی عورتوں کی دوکانوں میں اونی ملبوسات' لیدر کے پرس' کراکری..... خاص چائینز ڈیزائن کے پھول اور بے شمار بچوں کے ملبوسات اور پرلز..... وہ پرل کے سٹال پر لے گئی..... چینی عورتوں سے شہناز کی سلام دعا پہلے سے تھی۔ انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا .....اس دوکان کے علاوہ میں نے نظر دوڑائی تو چاروں طرف پرل ہی پرلز یعنی اصلی موتیوں سے مرصع زیورات تھے..... اگر ہم اکیلے آتے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ہم خریداری کرسکتے..... ایک تو قیمت لگانا ہمیں نہیں آتا تھا دوسرا زبان کا مسئلہ اور

تیسرا یہ کہ امریکی ڈالر ہمارے ہاتھ میں تھے..... کرنسی کا مسئلہ غرض بہت سے مسائل دامن گیر تھے۔اس پلازے میں بے شمار چینی خواتین خریداری میں مصروف تھیں کسی کو کسی کی ہوش نہ تھی..... انیلا میرے ساتھ کھڑی تھی اور شہناز نادرہ بھابھی کو کوئی پرل کی مالا دلوا رہی تھیں..... یہ سب کام جلدی جلدی ہو رہا تھا۔میں نے کوئی مالا لینے کے لیے جب قیمت پوچھی تو اس نے وہ بہت مہنگی بتائی۔شہناز نے مجھ سے کہا۔

''آپ پسند کی چیزیں لے لیں میں قیمت کروالوں گی۔'' اس لڑکی کے علاوہ بیشمار لڑکیاں وہاں موجود تھیں' جن کے ہاتھ مالا پرونے میں اتنے تیزی سے چل رہے تھے کہ میں ان کی پھرتی کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔وہاں حسب منشاء زیور بن رہے تھے .....لندن اور امریکہ میں بنی بنائی چیزوں کے سٹور ہوتے ہیں..... فکس قیمت ہونے کی وجہ سے آپ بارگینگ نہیں کر سکتے .....چیز پسند آئی اور فوراً روپے ادا کر دیئے..... چلو خس کم جہاں پاک..... لیکن یہاں کی دنیا بھی عجیب وغریب تھی۔یہ وہی چین تھا جس کی چیزیں دنیا بھر میں مشہور ہیں اور اپنے ملک میں ان کی چیزوں کے بہت کم دام ہیں..... بیجنگ میں جو چیز بھی اٹھاتی وہ پاکستان کی نسبت بہت مہنگی ہوتی..... خیر موتی ایسی شے تھی کہ یہ پاکستان کے حساب سے سستے تھے..... اور ویسے بھی اصلی موتی تھے..... ان لڑکیوں کے ہاتھ بجلی کی مانند تیزی سے چل رہے تھے ٹاپس بنا رہی تھیں۔گلے کا ہار اور کئی بنی ہوئی چیزیں شوکیس کی زینت بنی ہوئی تھی..... نادرہ بھابھی ان چیزوں کو خوش دلی سے دیکھتے ہوئے خریداری کر رہی تھیں مگر بہت کم روپوں میں۔

انیلا میری مدد کر رہی تھی..... ہر رنگ کے موتی..... ہر ڈیزائن میں بھلے معلوم ہو رہے تھے..... چینی لڑکیاں خوش تھیں کہ باقی دوکانوں سے ہماری دوکان پر گاہک زیادہ ہیں میرے بچوں کی سہیلی سارا بھی میرے پاس کھڑی تھی..... وہ مجھے میری بیٹیوں کے متعلق اور چوائس کے مطابق موتی لینے کے لیے اپنی رائے دے رہی تھی۔اس کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیٹیوں اور بہو کے لیے میں نے موتی کے زیورات خرید لئے..... لیکن کرنسی کے حساب سے شاپنگ کی تھی..... شہناز نے مجھ سے کہا کہ

آپ لوگ Xian شی یان جا رہے ہیں میں آپ لوگوں کی واپسی پر ان حضرات کے لیے مکمل شاپنگ کر لوں گی..... تم فکر نہ کرو..... مجھے ان سب بھائیوں کی بہت فکر تھی۔کیونکہ ایک روز پہلے ہی انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا..... اور آگے میں نے شہناز کی مدد حاصل کر لی تھی..... وہ موتی پرور ہی تھیں اور شہناز کے ساتھ دوسری جانب جہاں پرس تھے وہاں چلے گئے تھے۔

یہاں پر کئی دوکانیں پرسوں کی تھیں۔ گوچی کے پرس جو کہ لندن امریکہ میں بے انتہا مہنگے ملتے ہیں یہاں پر کچھ کم قیمت کے نظر آرہے تھے..... وہاں سے ایک آدھا پرس لینے کے بعد میں نے اپنے بیٹے کی فرمائش اور خواہش پر چائینز پیالے گرین ٹی کے لینے تھے..... پرسوں کی دوکان سے ہٹ کر کراکری کی دوکانوں کی طرف شہناز اور انیلا لے گئی تھیں..... یہاں پر بھی زبردستی سودابازی کرنی پڑتی تھی۔ پیکنگ کرنے کا کوئی سسٹم نہیں تھا بس اخباروں میں لپیٹ کر گاہکوں کو چیزیں دے رہی تھیں..... شہناز اسی دوکان پر لے گئی جہاں اس کی پہلے سے جان پہچان تھی..... لہٰذا دو خواتین اس چھوٹی سی دوکان پر کام کر رہی تھیں..... میں نے اور نادرہ بھابھی نے سبز قیوے کے پیالے لئے اور اونی ملبوسات کی طرف جانے کے لیے شہناز کو کہا..... وہاں سے نادرہ بھابھی نے ہینگروں میں لٹکے ہوئے سویٹروں کو غور سے دیکھا ایک پسند کی اور خرید لی اسی طرح شہناز نے بھاؤ تاؤ کر کے مجھے بھی دلوادی تب تک موتیوں کے زیورات بھی بن چکے تھے..... وہ چینی ڈالر میں حساب کر کے انہیں دے دیئے تھے..... اکثر دوکان دار امریکی ڈالر نہیں لیتے تھے..... وہ اپنے ملک کی کرنسی کا مطالبہ کرتے تھے..... مگر شہناز کی بدولت امریکی ڈالر میں ہی شاپنگ کر رہی تھیں۔ سارا نے کراکری میرے بیٹے رضا کی پسند کی دلوائی تھی اور میں خوش بھی تھی..... دو گھنٹوں میں سارا نے اتنی شاپنگ کروادی کہ میں حیران تھی..... میں شہناز کا بار بار شکریہ ادا کر رہی تھی کہ اس نے ہمارے لئے وقت نکالا اور ہمیں بازار لے گئیں..... اکثر خواتین شاپنگ کروانے کی چور ہوتی ہیں مگر شہناز اور انیلا نے خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں سب کچھ ان دو گھنٹوں میں دلوادیا تھا..... چار بجے تک ہم نے واپس پہنچ جانا تھا..... کیونکہ شام کو شہناز نے پاکستانی کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر مدعو کیا ہوا تھا۔

وفد کے ساتھ ہم بھی اس میں مدعو تھیں..... لہٰذا شاپنگ پلازہ کے باہر شہناز نے ہمیں خدا حافظ کہا اور شام کو ملاقات ہوگئی۔ جاتے جاتے کہہ گئی تھیں ''انشاءاللہ ملاقات ہوگئی''..... ہم نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''آج آپ نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا ہے..... یاد رہے گا''..... وہ مسکراتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی اس طرح انیلا کا بھی ہم نے شکریہ ادا کیا تھا۔

شام کے وقت مرد حضرات میٹنگ سے واپس آگئے تھے۔ آج کی شاپنگ کے بارے میں ہم نے ان سے شہناز کی تعریف کی تھی وہ بھی سراہتے ہوئے شہناز کو داد تحسین دینے لگے تھے۔ ارشاد بھائی نے کہا۔

اگر وہ نہ بھی لے جاتی تو کوئی زور نہیں تھا۔ مگر خاتون بہت با اخلاق بہت محبت اور خلوص سے ہمیں کھانے پر بلوا رہی ہے۔ حالانہ

کہ آفیشل کھانا Xian کی واپسی پر انہوں نے دینا ہی تھا..... مگر ہماری حالت زار پر اسے رحم آ گیا تھا..... کہ چینی کھانا کھاتے کھاتے بور ہو گئے ہیں۔ دیدار شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

''بھابھی ہمارا کچھ کیا ہے''..... میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا''

بھائی وہ خاتون اتنی ایکسپرٹ ہے کہ شی یان کی واپسی پر تمام خریداری کر لیں گی۔'' ابھی دیدار شاہ کو جواب دیا ہی تھا کہ افتخار چوہدری مغموم سے پوچھنے لگے۔

''اور میری چیزوں کا کیا ہوا؟''..... انہیں بھی اپنی بیگم کا بہت خیال تھا خالی ہاتھ جانا ہی نہیں چاہتے تھے۔

''فکر نہ کریں آپ کی بہت لمبی لسٹ ہے..... انشاءاللہ جس طرح کی وہ پھرتیلی خاتون ہیں وہ ضرور سب کی چیزیں خرید لیں گی''..... افتخار صاحب مطمئن ہو گئے تھے..... اب قدرے گھل مل گئے تھے..... فقیر محمد کھوکھر چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے..... ویسے بھی دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے..... میں نے ان سے پوچھا سب لوگوں نے لسٹیں دی تھی مگر آپ کی طرف سے کوئی فرمائش نہیں آئی کہ کیا خریدا جائے۔

''بھابھی'' وہ دھیرے سے بولے۔

بہت مہنگائی ہے..... سنا ہے کہ چین سستا ملک ہے مگر آ کے پتا چلا ہے کہ کس قدر مہنگائی ہے..... میں ان کو پاکستان سے ہی شاپنگ کروا دوں گا۔''

''ضرور کروا دیں..... لیکن کوئی نہ کوئی سوغات یہاں سے لے جائیں بیگم صاحبہ خوش ہو جائیں گی۔''

''وہاں سے خرید کے کہہ سکتا ہوں کہ چین سے لایا ہوں'' سب نے مسکراتے ہوئے جواب ایک ساتھ دیا۔

''ہم آپ کی اہلیہ کو بتا دیں گے''..... میں نے ہنس کر کہا۔

مانا کہ چینی سے پرہیز ہے..... مگر یہاں کی خریداری کرنے کے لیے پرہیز نہیں ہونی چاہیے..... بھابھی ہمیں بہت پیاری ہے آپ کو کوئی نہ کوئی شے ضرور لینی پڑے گی''..... کھوکھر صاحب کو میں نے لاجواب کر دیا..... انہوں نے ہامی بھر لی کہ وہ ضرور شاپنگ کریں گے..... اسی قسم کا حال فقیر حسین صاحب کا بھی تھا۔

لہٰذا وہ بھی مان گئے کہ وہ اپنی پسند کی شاپنگ ضرور کریں گے۔'' لیکن میں دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی کہ ارشاد صاحب کے ساتھی کیونکر فرار پا کر شاپنگ کر سکتے تھے..... وہ چین میں اس قدر مصروف تھے کہ ان صاحبان کو ذرا بھر فرصت نہیں تھی کہ شاپنگ

کی جائے..... قاضی فاروق بھی والدہ اور بہنوں کے لیے کچھ خریدنا چاہتے تھے مگر وقت کی کمی کے باعث نہیں خرید سکتے تھے۔ جونہی ارشاد بھائی کمرے میں آتے تو شاپنگ کا تذکرہ نہ کیا جاتا تھا۔

سب لوگ باہر گھوم پھر رہے تھے..... وہ ماحول وہ جگہ اور وہ خوب صورتی کسی پارک سے کم نہیں تھی..... آبشار کا پانی تالاب میں گر رہا تھا۔ پھول اور پودے ہلکی ہلکی ہوا سے جھوم رہے تھے..... ارشاد صاحب خوشی خوشی ان کے ساتھ تفریح کر رہے تھے..... جب بہت خوش ہوتے تو گلاب کا پھول کوٹ پر لگا لیتے تھے..... لہٰذا آج بھی مسرور تھے پھول ان کے کوٹ پر سجا تھا..... میں نے ان سے پوچھا۔

''کل بھی اسی قسم کا پھول آپ کے کوٹ کی زینت تھا کیا ۲۴ گھنٹوں میں یہ مرجھا یا نہیں ہے..... انہوں نے زوردار قہقہہ لگایا .....دروازے پر کھڑے دربان بھی مسکرا پڑے..... اور کہا

''یہ محبت اور خلوص کا پھول ہے..... کبھی نہیں مرجھاتا۔''

باقی صاحبان نے بھی تائید کی..... اس وقت ہم اس مقام کی فوٹو لے رہے تھے..... یہ ٹولہ آگے بڑھ گیا تو میں اپنے میاں کے ساتھ دوسری سمت کی جانب چلنے لگی تھی۔ جہاں گھنا سبزہ اور پھول تھے..... کہار ہوں میں مختلف رنگوں کے پھول ہیں۔ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کو اور بھی خوب صورت بنائے ہوئے تھے..... آسمان کی جانب دیکھا تو کہیں سے ایک بادل اڑتے ہوئے آ گیا تھا پیچھے سے دوسرے بادل نے تعاقب کیا..... اس طرح موسم ابر آلودہ ہو گیا تھا..... خنکی تھی۔ مگر ایسی نہیں کے ٹھنڈ لگے بس موسم خوش گوار ہو گیا تھا..... میں نے دیکھا تو آبشار کی دوسری سمت باہر کو جاتی ہوئی سڑک پر سب لوگ چل رہے تھے .....شاید شام کی سیر کر رہے تھے..... ارشاد صاحب جہاں جاتے محفل سجا لیتے تھے..... آج بھی یہ حضرات ان کے قابو میں تھے..... شعر بازی بھی ہو رہی تھی..... اور نظارہ بھی..... کافی وقت ہو گیا تھا۔ میں اور نادرہ بھابھی اوپر چلی گئیں تاکہ تیار ہو کے شہناز کے گھر جا سکیں..... اوپر پہنچ کر جلدی جلدی لباس پر استری کی اور شاور لینے کے بعد نیچے میٹنگ روم میں پہنچ گئی تھیں..... مرد حضرات پہلے سے ہی وہاں پر موجود تھے۔ انہیں کسی قسم کی تیاری کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ارشاد صاحب کا پھول ویسے ہی تر و تازہ تھا..... آج تو وہ پاکستانی میزبانوں کے گھر جا رہے تھے..... گلاب کا پھول کچھ اور ہی کھل گیا تھا۔

شہر کی حدود سے گاڑی نکل کر ایسے علاقے سے گزرنے لگی جہاں ہم پہلے نہیں گئے تھے۔ سنسان سڑکیں اور روشنی کہیں کہیں ٹمٹا رہی تھی..... یہاں پر بہت روشنیوں کا استعمال نہیں تھا..... شاید شہر کی حدود سے باہر تھا۔ پھر رہائشی ایریا ہونے کی وجہ سے سناٹا

تھا..... پھر دیکھتے ہی دیکھتے بڑے بڑے گھر شروع ہو گئے تھے۔ انہیں گھروں کو دیکھنے کے لیے جب سے بیجنگ آئی تھی۔ سوچتی تھی کہ ایسے گھر کہاں ہو گئے..... کیونکہ بیجنگ مجھے بہت خوب صورت نہیں لگا تھا اور ویسے بھی رہائشی فلیٹوں کی بھرمار تھی.....

بڑے بڑے گھروں سے گزرتی ہوئی گاڑی پاکستانی سفیر ریاض کھوکھر صاحب کے گھر رک گئی تھی..... باہر سے خاصا بڑا گھر تھا..... شہناز اور اس کا شوہر ریاض گھر کی دہلیز پر کھڑے ہمارا استقبال کرنے لگے تھے..... گھر کے اندر داخل ہوئی تو بڑی سی لابی سے گزر کر دائیں جانب بڑے سے ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے۔ یہ جگہ ڈرائینگ روم کم بلکہ ایک ہال کی مانند تھا ..... جہاں دیدہ زیب پینٹنگ۔ عمدہ فرنیچر..... چاندی کے ظروف اور دیگر سجاوٹ کی چیزیں اس کمرے کی زینت بڑھا رہی تھیں..... اہل خانہ کا ذوق اچھا معلوم ہوتا تھا بڑی نفاست سے اس کو آرائش کیا ہوا تھا..... حسب معمول وہ باتوں میں مصروف تھی۔ ان کے شوہر ریاض کھوکھر شاید کم گو تھے یا اپنی اہلیہ کو باتیں کرنے کا موقع دے رہے تھے..... وہ نادرہ بھابھی کا حال واحوال پوچھ رہی تھیں..... اور مجھ سے بھی باتیں کرنے لگی تھیں۔ تھوڑی دیر تک ان کی بیٹی بھی آ گئی تھی۔ سب لوگ آج پاکستانی کھانا کھانا چاہتے تھے..... گھر میں سے ہلکی ہلکی کھانے کی خوشبوئیں بھوک کو اور بڑھا رہی تھیں۔

ہم سے فارغ ہو کر شہناز ارشاد بھائی اور میرے شوہر کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئی تھی۔ شہناز کے بولنے پر سب وفد خاموش اس کی چٹ پٹی باتیں بڑے صبر اور تحمل سے سن رہا تھا..... وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر اندر باورچی خانے میں چلی گئیں..... تاکہ نیچے میز پر کھانا چن دیا جائے۔ دو چینی ویٹر ڈرائنگ روم میں میز لگا رہے تھے..... شہناز کی بیٹی سارا جو کہ میرے بچوں کی دوست بھی ہے مجھ سے بات چیت کرنے لگی..... امریکہ میں رہنے والی میری لڑکیوں کے بارے میں پوچھنے لگی تھی کہ میں بھی جلد امریکہ جانے والی ہوں۔

''بہن کے پاس''

''نہیں انٹی میں P.H.D کرنا چاہتی ہوں'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو اپنی بہن کی طرح تمہارا بھی ارادہ باہر پڑھنے کا ہے۔

''جی انٹی''

بیگم کے جاتے ہی ریاض کھوکھر کو موقع مل گیا تھا ارشاد صاحب سے باتیں کرنے کا..... لہٰذا وہ دھیرے دھیرے محو گفتگو تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد شہناز کمرے میں داخل ہوئی اور ڈرائنگ روم میں آنے کے لیے کہا....... کھانا میز کی بجائے کاؤنٹر پر لگا تھا....... اور کراکری میز کی زینت بنی ہوئی تھی۔شکل سے بہت عمدہ کھانا لگ رہا تھا۔بقول شہناز کے یہ کھانا اس نے خود بنایا تھا .... جب کھانا لیکر اپنی کرسی پر بیٹھی....... چکھا اور واقعی مزے کا لگا....... باہر کے ملکوں میں رہنے والے لوگ....... کھانا بنانا سیکھ جاتے ہیں یہاں تک کہ خواتین کے علاوہ پاکستانی مرد بھی اپنا کام خود کرتے ہیں۔

شہناز کے پاس ملازم تھا جس کی تنخواہ امریکہ اور لندن کے حساب سے بہت کم تھی وہ اوپر کا کام کردیتا تھا اور یہ کھانا خود تیار کرتی تھیں۔

سب بڑی رغبت سے کھا رہے تھے....... شہناز کی باتیں کھانے کے کمرے میں بھی جاری رہی تھیں....... ان باتوں کے جواب میں ارشاد صاحب کے قہقہے گونج رہے تھے....... ہمارے وفد کے باقی صاحبان بھی ہولے ہولے مسکرا رہے تھے .... کئی دنوں کے بعد سب کو اچھا کھانا نصیب ہوا تھا....... دوسرے دن Summer پیلس دیکھنے کا پروگرام تھا .... کھانے کے بعد سویٹ ڈش اور قہوہ پیش کیا گیا....... اس طرح رات کے گیارہ بجے ہم واپس لوٹے۔

میں اپنے میاں کے ساتھ باہر آئی تو نقشہ ہی بدلہ ہوا تھا۔ارشاد صاحب بمعہ اپنی اہلیہ کے آبشار کے ساتھ ساتھ....... تالاب کے کنارے درختوں۔پھولوں اور سبزے سے گزرتے ہوئے باہر کی جانب جاتی ہوئی سڑک پر سیر کر رہے تھے....... ہمارے وفد کے حضرات ان کے پیچھے ٹولیوں کی صورت سیر کر رہے تھے....... ارشاد صاحب نے سرخ گلاب کا پھول توڑا اور اپنے کورٹ کی زینت بنالیا تھا۔

ناشتے سے سب لوگ فارغ ہو گئے تھے۔تھوڑی دیر کے بعد سمر پیلس جانے والے تھے....... اس وقت لمبی لمبی تقریریں کرنے والے ارشاد صاحب اور ان کا وفد ٹین ایجز کی طرح گھوم پھر رہے تھے....... سب کے ہاتھ میں کیمرے تھے .... دھڑا دھڑ فوٹو ئیں کھینچی جا رہی تھیں۔

پیلے لباسوں والی ویٹرس برآمدے میں کھڑیں ہم لوگوں کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھیں۔سرخ سفید رنگ....... نوجوان لڑکیاں جب چلتیں تو ان لمبے لمبے میکسی نما کرتے دونوں جانب سے اتنے اونچے ہوتے تھے کہ....... چلتے چلتے ان کی سفید پنڈلیاں کچھ اور نمایاں ہو جاتی تھیں....... دور سے ان کا لباس بہت ہی مہذب دکھائی دیتا تھا مگر چلتے ہوئے سفید....... سفید رانیں دیکھنے والوں کو متوجہ کرتی تھیں....... مگر یہ ان کا لباس تھا....... ان کے کلچر میں شامل تھا....... ان کو پرواہ نہیں تھی کہ ہمیں کوئی اس نظر

سے بھی دیکھ رہا ہے۔

گاڑیاں ترتیب وار پورچ میں کھڑی تھیں..... یہ شاہی مہمان خانہ تھا..... جو کہ نہایت ہی آرام دہ اور حسین تھا مہمانوں کی خدمت کے لیے چینی حضرات نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی..... حالانکہ چین کے مقابلے میں دوسرے ممالک میں جاتی رہی ہوں وہاں پر اس طرح سے پرجوش استقبال نہیں ہوتا تھا..... اور نہ ہی سوچا جاتا تھا کہ ان لوگوں کو بلایا ہے تو کھانے پینے کا پورا بندوبست کیا جائے..... صبح کے وقت تمام پروگرام دیکھ لیے جاتے تھے اگر تو دوپہر کا لنچ سرکاری ہے تو شام کا کھانا ہمارے ذمے ہوتا تھا..... مگر یہاں بھرپور طریقے سے استقبال ہوا تھا۔

اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر دو چینی گائیڈ کے ساتھ روانہ ہوئے..... بالکل پاکستان کی طرح چیف جسٹس ارشاد حسن خاں کی گاڑی پر دو فلیگ لگے ہوئے تھے آگے پیچھے پولیس گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی سڑکوں سے گزر رہی تھی..... ہم نمبر ۲ گاڑی پر سوار تھے..... دس منٹ یا ۱۲ منٹ کی ڈرائیو پر سمر پیلس آ گیا تھا۔

موسم گرما کے لیے ایک قدیم شاہی محل تھا۔ جو کہ ذی شان پہاڑ کے دامن پر واقع ہے۔ اس کی تعمیر ۱۷۵۰ء میں ہوئی۔ یہ شہنشاہ چیان لونگ کے عہد کی پندرہویں سال کی بات ہے۔ اس کا رقبہ ۲.۹ ملین سکوائر میٹر ہے۔ اس کا زیادہ حصہ لونجیوٹی پہاڑ اور کن منگ تالاب پر مشتمل ہے۔ گرمیوں کے محل میں سوزوگلی (سٹریٹ) شامل ہے۔ اس کا نام سوزو شہر ہے۔ جو کہ دریاؤں اور تالابوں پر مشتمل بانگڑے دریا کے قریب ایک خوب صورت شہر ہے۔ گرمیوں کے محل کی ایک اور خوب صورت قابل دید جگہ ایک اور چھوٹا سا باغ ہے جو کہ ایک بڑے باغ کے اندر واقع ہے۔ اس کے علاوہ موسم گرما کے باغ کی ایک اور اٹریکشن دنیا کا سب سے لمبا کوریڈور (Corriodor) ہے۔

قدرتی مناظر اور حسین تعمیراتی (Architecture) کا حسین امتزاج ہے اور قدیم شاہی باغات کی مکمل نمائندگی کرتا ہے۔ سمر پیلس دنیا کے خوب صورت ترین باغات میں سے ایک ہے۔ اس سمر پیلس کے اندر داخل ہو کر حیرت ہونے لگی تھی۔ بڑا سا ایریا جو میلوں پر پھیلا ہوا تھا..... وہاں دائیں اور بائیں جانب۔ جہاں نظر پڑتی خوب صورت محل دکھائی دے رہے تھے..... ان شہنشاہوں کے بھی عجیب ہی نخرے تھے..... گرمیوں کا وقت گزارنے کے لیے بمعہ اپنے سٹاف اور گارڈز کے وہ یہاں آتے اور مختلف محلوں میں درجہ بدرجہ رہائش اختیار کرتے۔ ان محلوں کی سیڑھیاں قدیم زمانے کی تھیں..... پرانے زمانے کی ٹائلوں کے فرش تھے۔ کوٹج نما محل سبز، سرخ رنگوں اور مینا کاری پر مرصع تھے۔

ہمارا وفد گھوم پھر رہا تھا..... چاروں طرف چھوٹے چھوٹے محل تھے مگر درمیان میں بہت بڑا محل بادشاہ کے لیے تھا .....چوڑی چوڑی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے شہنشاہ کے محل کے اندر داخل ہوئے چھ سو سال پرانا محل تھا۔ وہاں گولڈن کام کے بڑے بڑے پلرز (تھم) چبوترے کی سیڑھیوں پر خوب صورت کام۔

یہ ایسا کمرہ تھا جہاں بیٹھ کر رعایا کی فریاد سنتے تھے۔ خوب صورت اسٹیج تھا۔ اور اسٹیج پر شہنشاہ کی کرسی تھی۔ سونے کے پانی سے گولڈن کام ہوا تھا۔ ایک طرف صوفے لگے تھے..... اس وقت ہال خالی تھا..... کبھی یہاں پر شہنشاہ بیٹھتا تھا۔

ایک اور ہال ایسا تھا جہاں شہزادی سولوگوں میں سے تین شخص شادی کے لیے پسند کرتی ہے..... پھر بعد میں تین میں سے ایک کو..... میں سوچ رہی تھی کہ کہاں گیا وہ شہزادی اور شہزادہ..... اور وہ لوگ جو رعایا تھی..... کئی سو سال بیت چکے تھے۔ رہے نام اللہ تعالیٰ کا اس وقت یہ محل سیر گاہ بن چکا تھا باقاعدہ میوزیم کے طور پر لوگ تفریح کرنے آتے تھے۔ نیچے صحن پر آئی تو میٹل کے بنے جانور..... دالان کی زینت بنے ہوئے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

بھول بھلیوں والے محل..... کام کرنے کے لیے اور آرام کرنے کے لیے الگ محل تھے..... جہاں پرانے زمانے کا فرنیچر اور قد آدم آئینے جن کے فریم کٹ ورک کے لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔

ہمارے علاوہ کافی لوگ اس میوزیم کو دیکھنے کے لیے آئے ہوئے تھے..... دھوپ چمک رہی تھی۔ کئی لڑکیوں نے اپنے چھاتے کھول رکھے تھے..... دھوپ سے بچاؤ کے لیے..... مگر ایسی بھی دھوپ نہیں تھی جو کہ برداشت نہ ہو..... سجاوٹ کے لیے محل میں میز اور پرانے پھول دان تھے..... اور کہیں کہیں پرانی لکڑی کی سیڑھیاں تھی۔

محل سے باہر آئی اور کھلے صحن سے گزری تو ایک جانب خوب صورت پتھروں کی آبشار اور آبشار کے اوپر سرخ اور سبز رنگ کا خاص چینی انداز کا چبوترہ تھا..... شاید وہاں بیٹھ کر باغ کا نظارہ لیا جاتا ہوگا..... ایک محل تو درختوں کے جھنڈ میں گھرا تھا .....درختوں کی اوٹ سے بھلا دکھائی دے رہا تھا..... اس باغ میں ایک پرانا درخت جو کہ ۳۰۰ سال پرانا تھا..... اس کی نگہداشت کی گئی تھی۔ کسی حد تک محل اچھے تھے سب کچھ ہی اچھا تھا..... مگر لکڑی اور رنگوں سے کام لیا ہوا تھا..... اس سے ہمارے شہر لاہور کے مقامات یعنی جہانگیر کا مقبرہ..... اسکی چھتوں پر نقش ونگار اور بڑا باریک کام ہوا ہے..... اور ہماری بادشاہی مسجد کا جواب نہیں..... جو نقش ونگار بنے ہیں یہ بنا نہیں سکتے..... ایک معاملے میں ہم سے آگے ہیں کہ اپنی پرانی چیزوں کی نگہداشت خوب کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کی بجائے وہ چیزیں نہ صرف برباد کرتے ہیں بلکہ اپنی

آنکھوں کے سامنے کئی خوب صورت چیزیں چوری ہوتے دیکھتے ہیں مگر کیا کریں..... ہمارے چلن ہی ایسے ہیں..... سمر پیلس کو فخریہ انداز سے گائیڈ لڑکی دکھا رہی تھی اور ہم چپ چاپ اس کی باتیں سن رہے تھے۔

وہاں سے ہٹ کر ایک لمبی سی راہداری (Corridor) میں آئے تو چلنا شروع کر دیا..... یہ ایسی کوریڈور تھی جو میلوں لمبی تھی اس کے بائیں جانب لکڑی کا جنگلہ تھا اور نیچے دریا اٹھکھلیاں کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا..... کنارے پر جہاز اور کشتیاں کھڑی تھیں..... میں اس کوری ڈور کے بنچ پر جو جنگلے کے ساتھ بیٹھنے کے لیے رکھا تھا اپنے میاں کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ دریا کے اوپر بائیں جانب نظر پڑی تو ایک اور محل کھڑا پرانے وقتوں کی یاد دلا رہا تھا..... موسم حسین تھا..... اور فضاء دلفریب ہو گئی تھی یہ چین تھا ..... جس نے اتنی ترقی کر لی تھی..... دن بدن ترقی کی طرف گامزن تھا۔ ادبی ذوق رکھنے والے میرے میاں باتیں کم کرتے ہیں اور نظارہ خوب لیتے ہیں..... کبھی کبھی مجھے گائیڈ بھی کرتے ہیں۔

ہمارا ٹولہ بھی ستانے کے لیے بینچوں پر بیٹھ کر دریا کا نظارہ لے رہا تھا..... چیف جسٹس ارشاد حسن خاں اس وقت خوش دکھائی دے رہے تھے..... ہوا کے ہلکوروں سے ان کے کوٹ میں لگا پھول بھی لہرا رہا تھا..... سب خوش باش تھے..... آج تو سب کو مسکراتے دیکھا تھا وہ اپنی گھر کی یادوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھلا بیٹھے تھے..... فقیر حسین اور فقیر محمد کھوکھر کو ایک ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی..... یہ دوستی بھی یہاں آن کر ہی پروان چڑھی تھی..... شاید دونوں فقیر تھے ہو سکتا ہے اس ناطے سے دوست بن گئے ہوں..... افتخار چوہدری اور دیدار شاہ اور جسٹس فاروق الگ بیٹھے گفت وشنید کر رہے تھے..... میں نادرہ بھابھی کے قریب بیٹھی تھی..... اور اس دور کے شہنشاہ اور شہزادی کے خیالوں میں غرق تھی۔ ''چلیں'' ارشاد صاحب کی آواز سے میں چونک اٹھی واپس جانے کا وقت ہو گیا تھا اس کے بعد انہوں نے ججز کے کالج جانا تھا۔ چیف جسٹس آف پاکستان نے لیکچر دینا تھا۔ ارشاد صاحب چیف جسٹس آف پاکستان نے کہا۔

''۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کے ملٹری دور میں پاکستان کی عدلیہ نے اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا ہے۔ اگرچہ ریاست کی بقا کی ضرورت کے تحت آئین کے بعض حصوں کو التوا میں رکھا گیا ہے۔ لیکن عدالتیں کام کر رہی ہیں۔ جب کہ اعلیٰ عدالتیں قانون کی حکمرانی عوام کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے کسی بھی معاملے کا عدالتی جائزہ لینے کے حق کو استعمال کرتے ہوئے فرائض کو انجام دے رہی ہے۔ یہ نیشنل ججز کالج تھا۔ جہاں ارشاد صاحب لیکچر دے رہے تھے۔ چین کی سپریم کورٹ کے نائب صدر نے چیف جسٹس اور ان کے وفد کا گرم جوشی سے استقبال کیا تھا اور چیف جسٹس آف پاکستان کا دورہ چین کی عدالتی تاریخ کا اہم موقع قرار دیا۔ چیف جسٹس ارشاد حسن

خاں نے اپنے لیکچر میں پاکستان کے عدالتی نظام۔ ججوں کی تقرری کے طریقہ کار۔ ججوں اور مجسٹروں وکلا اور عدالتی عملہ کی تربیت کے لیے فیڈرل جوڈیشل اکیڈمی کے قیام اور کارگردگی سمیت عدلیہ کی مجموعی کارکردگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا۔

''پاکستان کی عدلیہ نے ہمیشہ اپنی خودمختاری منوائی ہے۔ اور ہر طرح کے بالواسطہ بلاواسطہ دباؤ مسترد کرتے ہوئے حقائق کو غیر جانب داری سے اخذ کرتے ہوئے قانون اور آئین کے مطابق فیصلے دے رہی ہے۔

اس کے بعد ریفریشمنٹ دی گئی اور کافی دیر کے بعد سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔

رات کو شیرٹن ہوٹل میں عشائیہ تھا۔ یہ پاکستان کے سفیر ریاض کھوکھر نے پاکستان کے چیف جسٹس ان کے وفد اور چین کے چیف جسٹس اور ججز کے اعزاز میں تھا۔

یہ عشائیہ سفیر پاکستان ریاض کھوکھر کی جانب سے چیف جسٹس آف پاکستان اور چیف جسٹس آف چین کے اعزاز میں تھا۔ یہ کھانا ہال روم نمبر تین میں دیا جا رہا تھا۔ ریاض کھوکھر اور ان کی اہلیہ شہناز نے گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا اور ہال میں لے گئے جہاں میز لگا تھا..... کھانے سے پہلے آپس میں گفتگو بھی کی جا سکتی تھی۔

نادرہ بھابھی اور میں ان کے قریب ہی بیٹھی تھیں..... حسب معمول شہناز دلچسپ باتیں کر رہی تھی..... سارا ان کی بیٹی بھی وہاں موجود تھی۔ کونسلر کی اہلیہ انیلا بھی نظر آ رہی تھی..... وہ تھوڑا سا فاصلے پر بیٹھی تھیں۔

اس کھانے پر بھی دونوں چیف جسٹسز کیا چین کے ججز اور ہمارے وفد کے ججز گھل مل کر آپس میں باتیں کر رہے تھے..... جتنا بھی ہمارا قیام بیجنگ میں رہا..... میری گفتگو ان لوگوں سے ہوتی رہی تھی جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ واقعی ہی وہ چین اور پاکستان کی دوستی سے بے پناہ خوش ہیں..... شہناز نے اس کھانے پر یہ کرم کیا تھا کہ کچھ ڈشیز ان کی پسند کی اور کچھ کھانا ہماری پسند کا..... وہ ہماری کیفیت کو بھانپ گئی تھیں انہوں نے بھرپور اصرار کیا تھا کہ شنگھائی کی واپسی پر وہ ایک بار پھر ان کو گھر بلائے گی اور جو اشیاء ان لوگوں کے لیے خریدے گی۔ وہ بھی دے گی اور پاکستانی کھانا بھی کھلائے گی۔

یہ بات سنتے ہوئے میں نے دیواروں کی طرف دیکھا تو گریٹ وال کی تصویریں آویزاں تھیں..... پھر خیال آیا تبھی اس ہال کا نام گریٹ وال ہے..... جابجا خوب صورت پینٹنگ نظروں کے سامنے سے گزر رہی تھیں..... اس وقت ہر کوئی باتوں میں محو تھا۔

سارا مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے بتا رہی تھی کہ وہ امریکہ جانے والی ہے..... ایک چھوٹی بہن واشنگٹن میں زیر تعلیم ہے اور وہ

P.H.D کرنا چاہتی ہے''..... زمانہ آج کل بدل گیا ہے لڑکیوں کی تعلیم بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جتنی ایک لڑکے کی۔ یہ بات میں نے شہناز سے کہی۔ وہ مسکرا کر جواب دیتے ہوئے گویا ہوئی میری بیٹیاں ہی میرے بیٹے ہیں..... لہٰذا تعلیم کے معاملے میں ان کی رکاوٹ نہیں بنی ہوں مگر ان کے بغیر گھر سونا بہت لگتا ہے..... وہ سچ کہہ رہی تھیں..... ''میرا حال بھی کچھ اسی قسم کا ہے ..... بچے باہر سٹیل ہو چکے ہیں۔ میں بھی بہت اداس ہوتی ہوں مگر کیا کیا جائے'' مجھے سے نہ رہا گیا تو کہہ دیا۔ اچھے مستقبل کے لیے بچوں کو دور رکھنا پڑتا ہے''..... ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ سبزیوں کا سوپ ہمارے سامنے آ گیا تھا شہناز نے مجھ سے کہا۔

''آپ بلا خوف و خطر چکن بھی کھا لیں..... جب بھی ہم کھانا کرتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے حلال کھانے کا بندوبست کرتے ہیں''..... میں نے مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''شکریہ آپ نے ایسا سوچا''

''بھئی سوچتی کیوں نا! خود مسلمان ہوں'' اس بات سے نادرہ بھابھی اور سارہ بھی ہنسنے لگی تھیں..... سوپ کے بعد گرلڈ چکن اور فیش پیش کی گئی..... مختلف سلاد..... اور مختلف ڈشیز سے تواضع ہوتی رہی تھی..... کافی دیر کھانا چلتا رہا تھا..... پھر آخری کلمات میں دونوں چیف جسٹسز نے سفیر پاکستان کا شکریہ ادا کیا..... ہم بھی شہناز اور سارہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر آئے تو کافی دیر تک دیوڑھی میں کھڑے باتیں ہوتی رہیں۔ ایک بار سب نے شکریہ ادا کیا اور گاڑیوں میں بیٹھ گئے تھے۔ ہوٹل پہنچ کر کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو مدہم سی روشنیاں چاروں طرف سبزے پر پھیل رہی تھیں۔ اس وقت آبشار خاموش تھی۔ باہر سناٹا چھایا ہوا تھا..... ٹمٹماتی روشنیاں بھلی معلوم ہو رہی تھیں..... آسمان پر ستارے غائب ہونا شروع ہو گئے تھے اور کہیں سے اڑتے ہوئے بادل امڈ آئے تھے..... اور ٹمٹماتی روشنیوں سے ان کو رقص کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی گو کہ خاموشی تھی..... مگر کبھی کبھی خاموشی کی بھی اپنی زبان ہوتی ہے۔

دیر تک نظارہ لیتی رہی تھی۔ کافی دیر کے بعد میری آنکھ لگ گئی تھی مگر صبح چھ بجے ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو انہوں نے اٹھنے کے لیے کہا..... سونے سے پہلے میں نے رسپشن پر فون کر کے مطلع کیا تھا کہ ہمیں چھ بجے ہی اٹھا دیا جائے۔

تیار ہو کر بمع سامان کے نیچے پہنچی تو ہمارا وفد پہلے ہی براجمان تھا یہ ایسا کمرہ تھا جو صرف ہم لوگوں کے لیے ہی مخصوص تھا ..... پیلے لباسوں کی ویٹرس جو کہ شہزادیوں کی طرح حسین تھی..... انہوں نے مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے ہمارا استقبال کیا اور دو کرسیاں جو خالی تھیں..... ان میں ہمیں مہذب طریقے سے بٹھایا گیا تھا..... فقیر حسین کھوکھر میرے سامنے ہی براجمان تھے

..... تھوڑے سے پریشان بھی تھے..... میں نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں بھائی خیر ہے''..... وہ مسکرائے۔

''بالکل ٹھیک ہوں..... بس ایک غلطی ہوگئی ہو کہ آپ کا کہا مان لیتا تو کچھ وائف اور بچوں کے لیے شاپنگ ہو جاتی۔''

''فکر کی کیا بات ہے روانگی سے پہلے ہم شہناز کو کہے دیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ آپ کی اہلیہ کے لیے خرید لیں جیسا کہ وہ سب کے لیے خریداری کر رہی ہیں ویسے ہی آپ کی کر لیں گی۔''

ریاض نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لو وہ خفیہ طور پر شاپنگ کرے گا جو سب سے مختلف اور اچھوتی ہوگی''..... ریاض کی اس بات سے سب ہنسنے لگے..... ارشاد صاحب نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا یہ بات درست ہے''

''یہ مذاق کر رہے ہیں دراصل مہنگائی بہت ہے اور میرا حوصلہ نہیں پڑتا کہ فضول چیزوں پر روپیہ برباد کروں''..... کھوکھر صاحب نے وہی جملہ دہرایا ''یہی چیزیں پاکستان میں سستے داموں میں مل جاتی ہیں''..... کھوکھر صاحب کی اس بات سے سب ہی لاجواب ہو گئے تھے۔

حسینائیں انڈا توس اور فروٹ ہمارے سامنے رکھ رہی تھیں..... ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی میں سوچنے لگی..... قدرت کا کیا کرشمہ ہے اتنی حسین وجمیل اور باتمیز لڑکیاں ویٹرس ہیں..... جب پہلی بار ہم اس سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے تھے..... یہ لائن کی صورت میں کھڑی تھیں تو تھوڑی دیر کے لیے میں ان کو پہچان نہیں پائی تھی کہ اس سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ان کی ملازمت کیا ہے..... جب رات کے عشائیہ میں وہ سروس دے رہی تھیں تو میں حیران رہ گئی تھی۔

کھوکھر صاحب کے علاوہ سب لوگ مسرور تھے اس لئے کہ شہناز نے شاپنگ کرنے کی ہامی بھر لی تھی۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر میٹنگ روم میں بیٹھے تھے..... کچھ دیر کے بعد For Bidden میوزیم میں جانے والے تھے .....ارشاد صاحب گیسٹ ہاؤس کے اندرونی حصے سے نکل کر چہل قدمی کرنے لگے تھے میں بھی ان کے پیچھے اپنے میاں کے ساتھ چلی گئی تھی..... اتنے بڑے کمپاونڈ میں جیسا کہ پہلے بھی لکھ چکی ہوں ۱۸ گیسٹ ہاؤس تھے جہاں بیرون ملک کے لوگوں کو ٹھہرایا

جاتا تھا..... وہ شاہی مہمان خانے ایک سے بھر کر ایک خوب صورت اور شاہانہ تھے..... ہر شاہی مہمان کا سٹاف مختلف تھا .....اسی طرح سجے سجائے وہ محل نما ہوٹل تھے اتنا بڑا ایریا تھا کہ باہر پیدل سیر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

آج ہم دوسری سمت گھوم رہے تھے..... آبشار کی دائیں جانب شاہی گیسٹ ہاؤس تھا جو کہ سب سے زیادہ خوب صورت تھا .....اتنا سبزہ..... رنگا رنگ پھول..... پھولوں کی بیلیں..... غرض..... کہ اتنے سارے سبزے کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچ رہی تھی۔

فوٹو میں کھنچی جارہی تھیں..... آج Xian کے لیے روانگی تھی..... میں ان خوب صورت مناظر کو اپنی آنکھوں میں بند کر لینا چاہتی تھی۔ کچھ زیادہ دیر ان حسین مناظر کو دیکھ نہ پائی تھی کہ گاڑیاں پورچ میں آ کر کھڑی ہوگئی تھیں..... اور اس طرح بیجنگ سے کوچ کر کے شیبان جانے کے لیے گاڑیوں میں سوار ہو گئے تھے۔ مگر جانے سے پہلے For Bidden میوزیم دیکھنا تھا۔

سارا راستہ بیجنگ کی سڑکوں پر سائیکل سواروں سے بھرا پڑا تھا ان کو دیکھ دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس قوم کو کسی طرح کا کمپلیکس نہیں ہے..... ورزش کی ورزش اور صحت برقرار..... دبلے پتلے چائینز سارا دن گرم پانی اور قہوہ ہی پیتے رہتے ہیں..... کھانے دوران اگر آپ انہیں کہیں کہ پانی لادیں..... زیادہ ٹھنڈا نہ ہو..... تو ابلتا ہوا پانی سامنے رکھ دیں گے..... جس کو پینا محال ہوجاتا ہے..... مگر وہ لوگ آرام سے پی جاتے ہیں۔ گاڑیاں فوربڈن میوزیم کے پاس جا کر رک گئیں..... چینی لڑکا اور گائیڈ لڑکی باقاعدہ ہماری رہنمائی کے لیے ساتھ ہوتے..... یہ فوربڈن میوزیم بھی ایک طرح کے پیلس پر ہی مشتمل تھا۔

یہ میوزیم منگ اور چنگ کی شہنشاہیت کے لیے شاہی محل کا کام دیتا تھا۔ ۱۴۰۶ء میں شروع ہوئی ۱۴۲۰ء میں ختم ہوئی۔ اتنا بڑا کمپاونڈ جس کے اندر بہت سے دالان اور نو ہزار کمرے تھے۔ یہ چین کا سب سے بڑا کمپاونڈ ہے۔ جسے شاہی ایریا بھی کہہ سکتے ہیں۔ جہاں بے شمار شاہی کمپلیکس (تعمیراتی محل) ہیں اس محل میں بے شمار ثقافتی کلچر کے نمونے اور آرٹسٹک ڈیزائن اور آرٹ کی چیزیں ہیں۔ اس محل کو ایک تاریخی مقام حاصل ہے۔ اور چین کے ورثہ میں شامل ہے۔ حکومت نے دل چسپی لیتے ہوئے اس کی نگہداشت کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔

اندر داخل ہو کر اتنے سارے محل، دائیں بائیں آگے پیچھے یعنی حد نگاہ تک محل ہی محل ہیں..... یہ محل بھی سرخ سبز رنگوں کی آمیزش سے کلچ نما تھے ..... سبزے کیساتھ اندر جاتے ہوئے بے شمار سیڑھیاں گول دائرے کی صورت میں تھیں .....سامنے بڑے کمپاونڈ کے سامنے دور سے محل دکھائی دے رہے تھے۔ یہ تمام محل ایک ہی نمونے کے تھے..... کہیں سبز

رنگ نمایاں تھا اور کہیں سرخ..... ایک مقام پر کھڑے ہو کر دیکھا..... اونچائی سے تو محلات کا جال بچھا ہوا تھا..... کہیں کہیں سبزے میں گھرے محل اپنی خوب صورتی بڑھا رہے تھے..... یہ چین کے شہنشاہوں کے محل تھے۔ ایک محل کے نیچے تالاب تھا..... محل کا سارا عکس تالاب پر پڑا حسین دکھائی دے رہا تھا۔

ایک جگہ سبزے اور پھولوں سے ڈھکا محل..... سبزے کے جھروکوں سے اپنی زینت اور حسن کی نمائندگی کر رہا تھا ..... غرض کہ ان تمام محلوں کو دیکھتے تو ہمیں پورا ایک ہفتہ لگ جاتا تھا۔ وقت بھی کم تھا..... اور جانے کو جی بھی نہیں کرتا تھا ..... جلدی جلدی جتنا بھی دیکھ سکے اس کو لکھنا ضروری سمجھتی ہوں۔

بے شمار ٹورسٹ اور چائینز وہاں موجود تھے..... یہ محل خاموش کھڑے آنے والوں کے لیے عبرت بنے ہوئے تھے .....یہ بتا رہے تھے کہ یہ کبھی آباد تھے..... یہاں پر شہنشاہیت قائم تھی مگر اب سب خاک میں مل چکے ہیں اس کا مطلب صاف ہے کہ رہے نام اللہ تعالیٰ کا سب کچھ ہی مٹ جانا ہے پھر یہ محل کیا چیز ہیں ..... محل خاموش تھے اور لوگوں کی آوازیں .....باتیں..... خاموشی سے سن کر مسکرا رہے تھے..... آج یہ یہاں سیر کر رہے ہیں..... کل کو انہوں نے بھی نہیں ہونا .....نہ جانے آئندہ ان کی نسلیں آئیں اور ملاقات کریں سیر کریں''..... مجھے یوں معلوم پڑتا تھا کہ یہ باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے شاہی محل کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا تو حیران رہ گئی تھی..... بڑے بڑے سنہری پلرز..... چھت پر خوب صورت ڈیزائن سے رنگوں کی آمیزش..... اور سٹیج سے لیکر پورے ہال میں سنہری کام ہوا تھا..... شاید سونے کے پانی سے اس کو سنہرا کیا ہوا تھا۔

یہاں اور ہی دنیا تھی..... لوگ اتنی دلچسپی سے اپنے بچوں کو دکھلا کر سمجھا رہے تھے..... چینی زبان ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی مگر اندازہ لگا لیا تھا کہ اپنے بچوں کو گائیڈ کر رہی ہیں۔

ہمارا وفد مختلف ٹولیوں میں بٹا ہوا تھا..... وفد اب کافی گھل مل گیا تھا..... ارشاد صاحب نے سب کو اکٹھا کیا اور فوٹو ئیں کھنچوائیں..... گائیڈ چینی لڑکی میرے پاس کھڑی تھی اور مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

''کتنے خوب صورت ہیں یہ محل..... آپ کے پاکستان میں بھی اتنی خوب صورت چیزیں ہیں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ان محلوں کی نگہداشت کی ہوئی ہے..... یہاں پر صرف رنگوں کا استعمال ہے..... کبھی تم لاہور شہر آؤ تو دیکھو .....جہانگیر کا مقبرہ..... شالیمار گارڈن' شاہی قلعہ' شاہی مسجد اور مسجد وزیر خان تم وہاں آ کر وہ جگہیں دیکھو کی کہ حیران رہ

جاؤں گی کہ اتنا خوب صورت اور نفیس کام ہے کہ بیان سے باہر ہے..... بس ہمارا ملک غریب ہے اتنی حفاظت نہیں کر سکتا ..... لیکن پھر بھی عمارتیں بتاتی ہیں..... کہ کبھی ان میں حسن تھا۔

''میں ضرور پاکستان آؤں گی..... مجھے بہت شوق ہے ایسی جگہ دیکھنے کا۔''

''اچھا ضرور آنا تمہیں سیر کرادی جائے گی..... یقین جانو جب شاہی قلعے میں ضیافت ہوتی ہے جب باہر سے مہمان آئیں تو وہاں روشنیوں کا سماں پیدا کیا جاتا ہے..... کبھی کبھی آتش بازی بھی ہوتی ہے..... پھر وہ نظارہ بہت خوب صورت ہوتا ہے'' .....میں نے اتنا خوب صورت نقشہ کھنچا کہ وہ پاکستان آنے کے لیے بے تاب ہوگی تھی..... میں نے اس سے پھر کہا۔

''تم ابھی مت آؤ جب ڈیلی گیٹ آئیں گے تو ان کے ساتھ آنا..... کیونکہ سارے مقامات ان کے لیے خوب صورت بنائے جاتے ہیں..... تم زیادہ انجوائے کرو گی''..... میں سے سوچا اگر ایسی حالت میں ان عمارتوں کو دیکھے گی تو مایوس ہو جائے گی..... جو اتنی حسین اور خوب صورت کاموں سے مرصع تھیں آج کھنڈر بن چکی ہیں..... ان کی طرف بھی توجہ نہیں دی جاتی یہ ہمارے کلچر کا حصہ ہیں۔

سب گھوم پھر کر انجوائے کر رہے تھے..... ارشاد صاحب اپنی دلچسپ باتوں سے سب کو ہنسا رہے تھے..... جب یہ لوگ کسی میٹنگ پر جاتے تو ان کا رویہ بڑا باوقار ہوتا اور جب سیر گاہوں پر آتے تو یہ لوگ بھول جاتے کہ ہم جج ہیں..... انجوائے کرتے ہنستے مسکراتے مقامات دیکھتے..... ایک دوسرے کو نظمیں، غزلیں اور لطیفے سناتے..... چلتے ہوئے واپسی پر میرے میاں مجھے مختلف شاعروں کے شعر سنا رہے تھے۔

ہم نے Mao Zedongs Mwmorial Hall جانا تھا۔ لہٰذا وہاں جانے کے لیے گاڑیوں میں سوار ہو گئے تھے اور کچھ ہی منٹوں میں پہنچ گئے۔ ٹائنامین سکوئیر بہت بڑا ایریا تھا۔ میوزڈونگ Mao Zedong کے مزار پر حاضری دینے کے لیے جوں ہی اندر داخل ہوئے تو بہت ساری لڑکیاں کالے لباسوں میں پھول لے کر کھڑی تھیں۔ انہوں نے پھولوں کے گلدستے چیف جسٹس، نادرہ بھابھی کو دیئے اور بہت بڑا گلدستہ قد آدم جہاں فیتہ لگا ہوا تھا وہاں ارشاد صاحب کو دیا..... اور وہ مزار کے اندر لے گئیں..... مزار پر جاتے ہوئے میری نظر پڑی جہاں پر لکھا ہوا تھا۔

''باتیں کرنا منع ہے'' مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے مزار کے اندرونی کمرے میں گئے تو شوکیس کے چھوٹے سے کیبن میں موزے تنگ کو دیکھا..... انہوں نے اسے پریز روکیا ہوا تھا..... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سو رہا ہے ۱۹۷۶..... ء میں فوت

ہوا تھا..... یوں لگتا تھا کہ ابھی ابھی لیٹا ہے اور اٹھ کر باتیں کرنے لگ جائے گا..... چار سو خاموشی تھی۔ کبھی یہ شخص حکومت کرتا تھا اور آج اس دنیا میں نہیں ہے..... میں کھڑی سوچوں میں غرق تھی وہاں پر حاضری دینے کے لیے باہر آئے قریب ہی گریٹ ہال اور میوزیم Revolution تھا جہاں کچھ تصویریں آویزاں تھیں جو چین کی ہسٹری بتا رہی تھیں وہیں بڑے بڑے ہال دیواروں پر تصویریں لگی تھیں..... جو چین کی نمائندگی پر مبنی تھیں۔

اس کے بعد مسٹر فانگ فنگ پنگ (Mr fang fang pang) سے ملاقات کی۔ یہ میٹنگ ایک ایسے ہال میں تھی جہاں دیواروں کے ساتھ پتھروں کی تصویریں چین کی ہسٹری بتا رہی تھیں۔ مترجم لڑکی چیف جسٹس ارشاد حسن خاں اور فانگ منگ پنگ کی گفتگو دونوں زبانوں میں کر رہی تھی۔ اس ہال میں سرخ رنگ کے پردے اور ایک طرف چین کا جھنڈا تھا۔ موٹے موٹے تھم ..... عین دوسرے جانب ہال کی پینٹنگ تھی جس میں پہاڑوں کو مختلف رنگوں سے پینٹ کیا ہوا تھا۔ بہت بڑا فانوس لگا تھا۔ دن کے وقت روشنی تھی۔

بڑے فانوس کے ساتھ ساتھ چھوٹے فانوس بھی روشن تھے۔ کرسیاں ہلکے پیازی رنگ کی تھیں..... شیشوں کی بڑی بڑی کھڑکیاں اور قد آدم وازبال کے کونوں کی زینت بنے ہوئے تھے۔

دونوں کی گفتگو جاری تھی۔ چیف جسٹس ارشاد حسن صاحب نے کہا۔ کسی بھی ملک کی اقتصادی ترقی اور استحکام کا انحصار اچھے نظم و نسق اور مستحکم معاشی پالیسیوں پر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں عدالتی نظام تنازعات کے فوری حل کے ذریعے معاشرے میں امن و آہنگی پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ فانگ فنگ پنگ نائب صدر چین سے گفتگو کر رہے تھے۔

انہوں نے ارشاد صاحب اور ان کے وفد کو خوش آمدید کہتے ہوئے پاک چین تعاون کو مزید مستحکم بنانے کی ضرورت پر زور دیا انہوں نے کہا کہ دونوں ملکوں میں باہمی تجربات سے فائدہ اٹھا کر درپیش چیلنجوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے انسانی حقوق سمیت دیگر معاملات پر پاکستان کی حمایت کو سراہا انہوں نے ارشاد حسن خاں کو نیشنل ججز کالج کی طرف سے اعزازی پروفیسر شپ کا منفرد اعزاز ملنے پر مبارک باد دی۔ اس کے بعد میٹنگ کا اختتام ہوا..... اور ہم سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس کے بعد ہماری Xian کے لیے روانگی تھی۔

ہم سب سٹیٹ گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہو رہے تھے..... تقریباً سب کے ساتھ دستی سامان تھا۔ شناخت کرتے ہوئے مطلوبہ گاڑیوں میں رکھوایا تھا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر ائیر پورٹ کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔

ایک گھنٹہ چالیس منٹ کا سفر تھا جو کہ آرام سے کٹ گیا تھا..... ائیر پورٹ Xian -Xian پر اتر چکے تھے..... وہاں پر مسٹر ونگ فارونگ Wang Farong نے ڈیلی گیشن کا استقبال کیا..... اور خوش آمدید کہتے ہوئے گاڑیوں میں سوار کیا۔

سارا راستہ Xian کا ایسا لگا جیسے کسی گاوں میں آ گئے ہوں کھیتوں میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے مٹی کے صاف ستھرے گھر .....یوں معلوم ہو رہا تھا یہ شیر بیجنگ سے مختلف ہے..... اس لئے کہ پونا گھنٹہ اسی منظر سے بھرا پڑا تھا..... لیکن سبزہ اور کھیت..... اور کھیتوں کے کونے پر گھر ایسا لگا جیسے پاکستان کے کسی پوش گاوں سے آ رہی ہوں..... لیکن دیکھتے ہی دیکھتے شہر شروع ہو گیا تھا۔

لڑکیاں شانوں کے ساتھ شانے جوڑے کھڑی تھیں..... سائیکل سوار یہاں پر بھی بے شمار نظر آ رہے تھے..... صاف ستھرا ہے اسی لئے اسے شی یان کہتے ہیں..... گاڑی گھومتی گھماتی حیات ہوٹل ٹھہر گئی۔

حیات ہوٹل Xian کے لحاظ سے خوب صورت آرام دہ ہوٹل تھا۔ لاونج میں کافی لوگ بیٹھے تھے..... کچھ تو رات بسر کرنے آئے تھے باقی کے اپنے دوست احباب کو ملنے کے لیے..... کمروں کی چابیاں ملتے ہی ہم اوپر کی جانب بذریعہ لفٹ پہنچ گئے .....باہر کے ملکوں میں جہاں بھی چلے جائیں ایک ہی نمونے کے ہوٹل ملیں گے..... میں نے کمرے کے پردے ہٹا کر شی یان Xian شہر کو غور سے دیکھا یہ شہر اتنا خوب صورت نہیں تھا جتنا کہ بیجنگ..... لیکن بیجنگ کی خوب صورتی دوسرے بڑے ملکوں کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہوٹل صاف ستھرا شہر کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہے..... اوپر ہوٹل سے بھی سائیکل سوار جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے..... یہاں سائیکلوں کی اپنی ہی بہار تھی..... جلدی جلدی سارا سامان کھولا اور کپڑے الماری میں لگاتے ہوئے میں نے خالی دونوں ہینڈ بیگ الماری کے کونے میں رکھ دیئے..... کیونکہ کھانے کے لیے سب نے اکٹھا ہونا تھا..... جب میٹنگ کی جگہ پہنچی تو ایک ہال میں لیجایا گیا تھا..... وہاں پر بھی طرح طرح کی خاص چین کی تیار کردہ ڈشیز سے تواضع کی گئی تھی..... رات آرام سے گزری تھی..... صبح کے وقت ناشتے کے لیے پھر اکٹھے ہوئے تو Company Huashan Machinery میں میٹنگ تھی۔ جس وقت ہم ڈائننگ ہال میں ناشتے کے لیے جانے والے تھے تو اس وقت ہمیں بتایا گیا کہ ناشتے کے فوراً بعد ہمیں اس مقام پر پہنچ جانا ہے..... صبح کے سات بجے ہم سب ناشتے کے لیے نیچے ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے..... وہاں پر سماں ہی اور تھا..... نہ صرف ہم تھے بلکہ کئی اور سیاح بھی ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔ ناشتہ کے لیے بوفے کا میز لگا تھا جہاں بے شمار سیریئل، ہر قسم کی ڈبل روٹی، مکھن، جیم، گوشت، پنیر، چکن ابلا ہوا لوبیا اور کون سی

ایسی ڈش نہ ہوگی جو وہاں موجود نہ ہو..... ایک جگہ پر ایک شخص لوگوں کی مرضی کے مطابق انڈے تل رہا تھا۔ آملیٹ' فرائی جیسی جیسی کسی کی منشا تھی ویسا ویسا انڈا ان کی پلیٹ میں رکھتا جاتا تھا یہاں پر لائن کی صورت میں لوگ اپنی پلیٹوں میں انڈے ڈلوا رہے تھے..... ناشتہ بھی لائن کی صورت میں بوفے کی میز سے لے رہے تھے..... دودھ' کئی قسم کے جوسز الگ سے پینے کے لیے رکھے ہوئے تھے۔

ہمارا وفد اکٹھے ایک میز پر بیٹھ کر ناشتہ نوش فرما رہا تھا ناشتہ کرتے ہوئے آپس میں محو گفتگو بھی تھے۔ اس وقت سب ایک ہی خاندان کے افراد معلوم ہو رہے تھے..... فقیر کھوکھر جو کہ لاء سیکرٹری آف پاکستان ہیں..... پہلے تو دو دن وہ چپ ہی رہے مگر آہستہ آہستہ وہ گھل مل ہی گئے تھے..... کبھی کبھی ہنس بھی پڑتے تھے..... کوئی بھی میٹھی چیز نہیں کھاتے تھے انہیں اندیشہ تھا کہ اگر میٹھا ضرورت سے زیادہ کھالیا جائے تو شوگر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میٹھے سے ٹوٹل پرہیز کرتے تھے۔ جسٹس دیدار شاہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ دنوں سے کوئی چیز پاکستان بھول آئے ہیں۔ اکثر خلاؤں میں دیکھتے پائی تھی۔ لئے دیئے رہتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ خاموش طبع ہیں مگر Xian پہنچ کر وہ نہ صرف بات چیت کرتے بلکہ قہقہ بھی لگا لیتے تھے..... یہ سب ارشاد حسن صاحب کی بدولت تھا جو دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں ہر محفل میں دل چسپی کے سامان مہیا کر لیتے ہیں یہ انہی کا تاثر تھا کہ دیدار شاہ بات بات پر مسکراتے سلام کرتے اور سب کے ساتھ گفتگو کرتے۔

جسٹس قاضی فاروق کو میں نے کبھی بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ بیجنگ میں بھی خاموش رہے۔ آپس میں ان صاحبان کی بات ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن وہ بھی Xian پہنچ کر گھل مل گئے تھے..... یہاں تک کہ منیر نیازی کی نظم بھی پڑھ کر سنا دی تھی۔ ارشاد صاحب کو ضرورت نہیں تھی خاموش رہنے کی انہوں نے ماحول ہی ایسا بنا دیا تھا کہ ہر بات پر قہقہے لگ جاتے..... میرے شوہر گو کہ کم گو ہیں وہ بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیتے' مسکاتے اور خوب ہنستے..... اور شعر سناتے۔

نادرہ بھابھی ہر وقت عبادت میں رہنے والی خاتون بھی ان کی گفتگو میں شریک ہوتی اور بات چیت میں بھرپور حصہ لیتی ..... جب سب کو معلوم ہوا کہ مجھے لکھنے کا شوق ہے تو ہر ایک نے میری مدد کی..... کسی نے بروشر مہیا کئے کوئی چائنہ کی ہسٹری کے بارے میں روشنی ڈالتا غرض ہر کوئی یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک خاندان کا حصہ ہے۔

آخر میں فقیر حسین جو کہ لاء ڈیپارٹمنٹ میں سیکرٹری ہیں وہ باتیں بھی کرتے اور ہر ایک کی مدد بھی کرتے..... فقیر محمد کھوکھر اور یہ صاحب مجھ سے بہت خائف تھے انہیں اندیشہ تھا کہ میں ان کے بارے میں نہ جانے کیا لکھ دوں..... کوئی غلط بات تو میں نے

دیکھی نہیں تھی پھر نہ جانے کیوں خائف تھے۔اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکی تھی ناشتے کے بعد باہر Company Huashan Machinery جانے کے لیے باہر آئے تو بارش ہو رہی تھی۔ارشاد صاحب بمعہ اپنی اہلیہ کے لیموزین میں بیٹھ گئے اور باقی کے وفد کے لیے Xian میں (شی آں) بس کا انتظام تھا یہ کوچ چند سیٹوں پر مشتمل تھی اور چیف جسٹس آف پاکستان کی گاڑی اس کے آگے پولیس کی گاڑی اور پیچھے کوچ..... سارا راستہ لوگوں کو میں نے چھاتے پکڑے ہوئے دیکھا تھا۔کاریں چل رہی تھیں۔سائیکل سوار بمعہ چھاتوں کے سائیکلیں چلا رہے تھے بس اسٹاپ پر لوگ چھاتے پکڑے بسوں کا انتظار کر رہے تھے..... زندگی معمول کے مطابق تھی یہ نہیں کہ موسلا دھار بارش ہوئی تو تمام کاروبار اور سرکاری دفاتر' سکول بند..... ہوا ہو آندھی آئے یا بارش ..... معمول کے مطابق ہر کام ہوتا ہے۔

سڑک سے گزرتے ہوئے درختوں کے پتے بارش کی وجہ سے کچھ اور نکھر گئے تھے..... موسم جہاں اتنا گرم تھا اس میں خنکی آ گئی تھی۔دس پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر Huashan Machinery Company آ گئی تھی..... سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے تو بہت بڑی عمارت تھی۔جہاں ایک کمرے میں میٹنگ ہوتی تھی۔وہاں بہت بڑا میز لگا ہوا تھا۔ہر شخص کا کارڈ اس کی کرسی کے سامنے تھا۔پانی کی بوتل سیب انگور اور چھوٹے چھوٹے ٹماٹر کھانے کے لیے رکھے ہوئے تھے..... میٹنگ کی کاروائی شروع ہو گئی تھی۔گریٹ یونین کے صدر کی جانب سے دعوت نامہ تھا۔میز کے آمنے سامنے صدر اور ارشاد حسن خاں بیٹھے تھے..... مترجم لڑکی جو بیجنگ سے ہمارے ساتھ آئی تھی وہ چیف جسٹس آف پاکستان کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔صدر چائینز زبان میں بتانے لگے گریٹ یونین کے صدر اور کارپوریشن کے چیرمین سے تعارف ہو چکا تھا۔لہٰذا مترجم لڑکی سے ان کی گفتگو سمجھ آنے لگی تھی۔کارپوریشن کے چیرمین نے آجر اور محنت کشوں کے درمیان ہر قسم کے تعلقات پر روشنی ڈالی اور انہوں نے وفد کو یہ بھی بتایا کہ چین میں محنت کشوں اور آجروں کے درمیان معاملات کیونکر قرار پاتے ہیں۔مصالحت کے مختلف طریقے بیان کئے گئے۔بلکہ مزدوروں اور محنت کشوں کے اپنے ہمسائیوں سے جھگڑے میں بھی مصالحت کا کردار کارپوریشن کے افسران ہی سرانجام دیتے ہیں۔حتیٰ کہ میاں بیوی کے جھگڑے میں بھی مداخلت کر کے خاندان کو ٹوٹنے سے بچاتے ہیں۔

اس کے جواب میں چیف جسٹس ارشاد حسن خاں نے پاکستان کے مروجہ قانون پر روشنی ڈالی اور انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں لیبر کوٹ موجود ہیں جو کہ محنت کش اور آجر کے درمیان تصفیہ کراتے ہیں۔انہوں نے پاکستان میں ہڑتال کے قوانین پر اور انڈسٹریل ریلیشن کمیشن اور اس ضمن میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے کردار کو اجاگر کیا۔

یہ میٹنگ دو ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔ اس دوران قہوے کی پیالی جونہی ختم ہوتی تو اس کو سادھے کھولتے ہوئے پانی سے بھر دیا جاتا پیالی میں پہلے سے ہی پتی موجود ہوتی تھی..... لہٰذا میٹنگ کے دوران ان لوگوں نے کتنی ہی پیالیاں پی لی ہونگی۔

موسم خنک ہوگیا تھا..... میز کے سامنے دو بڑے بڑے ائیر کنڈیشنر کھڑے تھے..... کمرہ خاصا سرد ہوگیا تھا ..... میٹنگ کے اختتام سے پہلے ہی میں نے کمرے کی جانب غور سے دیکھا تو بڑی بڑی کھڑکیاں جن کا منظر نیچے کا سرسبز لان تھا ..... آرام دہ کرسیاں تھیں..... جب میٹنگ ختم ہوئی تو پاکستان کی لائی ہوئی کتابیں یونین کے صدر اور چیرمین کارپوریشن کو دی ..... فوٹوئیں کھنچی گئی تھی میں جب نادرہ بھابھی کے ساتھ باہر ٹائلٹ میں گئی تھی۔ خاصا گندا غسل خانہ تھا پرانے زمانے کی فلیش لگی ہوئی تھی یہ وہاں کے ورکرز کے ٹائلٹ تھے..... میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ یہاں پر بھی کلاس کا چکر ہے..... جو کوئی V.I.P ہے تو اس کے لیے شاہانہ استقبال عمدہ رہائش صاف ستھرے ٹائلٹ اور جو کوئی غریب مزدور اور دیگر چھوٹی کلاس کا طبقہ ہے ان کے لیے عمدہ ٹائلٹ کیا کوئی چیز اعلیٰ میسر نہیں ہے۔ حالانکہ امریکہ میں ایک عام صفائی کرنے والی خاتون کا اسٹنڈرد ویسا ہی تھا جیسا کہ ایک مالکن کا ہوتا ہے..... میرا دھیان امریکہ کی جانب چلا گیا تھا۔ میری بیٹی (جو امریکہ میں رہائش اختیار کئے ہوئے ہے) نے مجھے کہا کہ میں کسی کام سے باہر جارہی ہوں میری میڈ آئے تو دروازہ کھول دینا..... میں کسی کام میں الجھ گئی تھی کال بیل ہوئی تو میں نے دروازہ کھولا تو ایک خاتون نئے ماڈل کی کار سے اتری اور ایک جوان لڑکی اس کے ہمراہ تھی۔ میں سے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ ہمسائے کے گھر سے کوئی خاتون آئی ہو وہ اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''سعدیہ ہے؟'' سعدیہ میری بیٹی کا نام ہے۔

جی وہ تو باہر گئی ہے آیئے آپ تشریف رکھیں۔

وہ ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ساتھ آئی لڑکی ڈکی سے برش اور صفائی کی دیگر چیزیں لے آئی تو میرا ماتھا ٹھنکا..... ''اوہ یہ تو صفائی کرنے والی ہے'' میں حیران سی ان کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی انہوں نے اپنے لباس ٹائلٹ پر جا کر تبدیل کئے ایپرن باندھے اور کمال پھرتی سے صفائی کرنے میں مصروف ہوگئی تھیں۔ دو ڈھائی گھنٹوں میں سارا گھر شیشے کی مانند صاف کر دیا۔

وہ جاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''آئی..... نو..... یو..... آر سعدیا زمدر۔''

''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''آپ کی شکل اس سے ملتی ہے'' یہ بات بھی جاتے ہوئے بتا گئی کیونکہ اگر باتیں کرتی تو نہ جانے کتنا وقت لگ جاتا..... اور

پھر کئی اور گھروں کی صفائی بھی کرنی ہوگی..... اسی طرح انہوں نے اچھی پوشاک پہنی ہنستی مسکراتی گاڑی میں بیٹھ کر ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوگئی تھیں..... میری بیٹی کی غیر موجودگی میں اس نے بڑی ایمانداری سے صفائی کی تھی۔ ورنہ پاکستان میں عورتیں صفائی کم اور باتیں زیادہ کرتی ہیں..... وہ بھی سچی ہیں ان کے پاس اتنے روپے کہاں کہ نئے ماڈل کی گاڑی میں گھومتے ہوئے صفائی کرنے آئیں۔

ان کی تنخواہیں اتنی ہوتی ہیں کہ بمشکل خاندان کا پیٹ روٹی سے بھرتا ہے اور امریکہ میں اتنی زیادہ کہ اگر وہ لوگ فضول خرچی نہ کریں تو بہت روپیہ جمع کر سکتے ہیں..... ادھر چائنہ میں ایسا سب کچھ نہیں تھا وہاں غربت زیادہ ہے..... مگر ایسی غربت نہیں کہ پیٹ بھر کر کھانا نہ کھا سکیں..... جیسا کہ ہمارے ملک میں بہت سے لوگ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں اور کئی کئی دن ان کے گھر چولہا نہیں چلتا۔

Huashan Machinery Company سے واپس آ گئے تھے اور دوپہر کے وقت ہوٹل میں ہی پہنچ لینا تھا اور اس کے بعد ٹیراکوٹا میوزیم کے لیے جانا تھا..... موسم شیان میں درمیانہ تھا۔ لیکن بیجنگ کے معاملے میں تھوڑا سا خنک تھا۔ میں نے تکلفاً گرم شال اوڑھ لی تھی اور نیچے ڈائنگ روم میں لنچ کے لیے چلی گئی تھی۔ ویٹر اور ویٹرس لڑکیاں ہال میں ادھر سے ادھر پھرتی سے کام کر رہی تھیں..... سفید بلاؤز اور کالی پینٹوں میں ملبوس چینی لڑکیاں مناسب شکل وصورت کی تھیں..... یہ نہیں کہ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کی طرح حسین ہوں وہاں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں خاندانوں میں سے چن کر ان لڑکیوں کو ویٹرس بنایا ہوا تھا ..... ہم سب ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

میرے قریب گائیڈ لڑکا بیٹھا ہوا تھا اسے معلوم تھا کہ مجھے گوشت مرغی اور بطخ پسند نہیں ہے تو اس نے میرے اور نادرہ بھابھی کے لیے سبزیوں کی ڈشیز بنوانی شروع کر دی تھیں..... اگر وہ ڈشیز بھی پسند نہ آتی تو فروٹ اور جوس سے گزارہ کر لیتی تھی..... میز پر بیٹھے بیٹھے اس لڑکے نے کہا..... ''سب کے لیے آج سبزیوں کے سوپ کا آڈر دیا تھا''..... سبزیوں کے سوپ کا نام سن کر سب کے چہروں پر رونق آ گئی تھی..... کھوکھر صاحب تو ویسے ہی پھونک پھونک کر کھاتے تھے..... بطخ مرغی..... کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ کھائیں..... البتہ میری طرح وہ مچھلی اور سبزیوں کی ڈش تناول کر لیتے تھے..... ان کے کھانے سے شوگر پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔

میرے دائیں جانب افتخار چوہدری آہستہ آہستہ سوپ پی رہے تھے..... میں اکثر ان کے ہاتھ میں تسبیح دیکھتی ہوں اپنے

سفر میں ان کو تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھا تھا سو غیر ذبیح چیزیں وہ بھی نہیں کھاتے تھے..... میرے آگے سوپ کا پورا ڈونگا رکھا تھا۔ جس کو پاکستان میں سات آٹھ آدمی کھا سکتے ہیں..... اس ڈونگے میں مشروم، پھلیاں گاجریں بند گوبھی کچی پکی سبزیاں تھیں .....اس میں ان چیزوں کے علاوہ نوڈلز بھی تھے..... اتنا بڑا ڈونگا کھانا مشکل ہو رہا تھا..... اس لڑکے سے آنکھ بچا کر وہ ڈونگا میں نے دوسری طرف رکھ دیا تھا..... ڈونگا رکھتے ہوئے اس نے دیکھ لیا تھا..... وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا..... آپ کا چڑیوں کی طرح معدہ ہے۔ اتنا لذیذ سوپ ہے اس کو نوش فرمائیں۔"

"بیت اچھا ہے..... بڑی مہربانی تم ہمارا اتنا خیال رکھتے ہو"..... حالانکہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی..... خدایا اب کے بعد کچھ نہ آئے ورنہ نہ کھایا تو آداب کے خلاف ہوگا"..... یکے بعد دھڑا دھڑ مختلف کھانوں سے تیار کردہ ڈشیں آنی شروع ہوگئی تھیں..... یہ لوگ زیادہ تر بطخ کا گوشت بہت پسند کرتے ہیں..... سبزیاں اور ہر وقت قہوہ پینے سے ساری چربی ختم ہوجاتی ہے اور جوان کی سائیکلوں پر ورزش ہوتی ہے۔ اس کا جواب ہی نہیں ہے..... خاص کر کے ہوٹل کے ویٹر ویٹرس دفتر میں کلرک یا درمیانے طبقے کے جتنے بھی لوگ ہیں وہ سائیکل سواری کو ترجیح دیتے ہیں..... میں سب کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی کسی نے کچھ کھایا یا نہیں کھایا لیکن سب کی خواہش دل میں یہی تھی کہ کہیں سے پاکستانی کھانا میسر آجائے..... وہاں سوائے صبر و شکر کے کسی سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی شکایت یہ بھی شاید اللہ کا امتحان تھا..... اتنی اعلیٰ جگہ پر اس نے ہمیں ٹھہرا دیا تھا اتنی خدمت خاطر کی تھی کہ بار بار خدا کا شکر ادا کرنا پڑتا تھا..... میں کھانا کھاتے ہوئے ہوٹل کی سرگرمیوں کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔ ایک خاندان میاں بیوی ساتھ میں دو بچے..... ہماری میز کے قریب بیٹھے تھے..... یہ خاندان بھی چینی تھا..... چینی لوگ بھی باادب اور ملنسار ہوتے ہیں..... دھیرے دھیرے کھانا تناول کر رہے تھے..... دائیں بائیں جانب کچھ ٹورسٹ دکھائی پڑ رہے تھے..... Xian بیجنگ کے مقابلے میں اتنا خوب صورت نہیں تھا مگر چین کا شہر تھا ویسا ہی کلچر تھا اسی قسم کے لباسوں میں خواتین اور مرد نظر آتے تھے..... کسی زمانے میں ان کے لباس بالکل یونی فورم کی طرح جینز کی پینٹ اور شرٹ مرد اور عورتوں کا ایک ہی طرح کا لباس دونوں میں امتیاز کرنا مشکل تھا..... یہ باتیں تو جو کوئی چین جاتا آ کر سناتا تھا..... مگر اب تو میں خواتین کو دیدہ زیب لباسوں میں دیکھ رہی تھی..... فیشن میں بھی کسی سے کم نہیں تھیں..... اس طرح مرد حضرات بھی عمدہ سوٹ بوٹ میں دکھائی دے رہے تھے..... بچے بھی اچھی پوشاکوں میں والدین کے ساتھ پارک میوزیم ہوٹل اور اوپر امیں نظر آتے تھے۔

کھانے کے بعد میں تھوڑی دیر کے لیے اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ کچھ لڑکیاں کمرہ صاف کر رہی تھیں..... مجھے آتا

دیکھ کر ان میں سے کسی لڑکی کو انگریزی آتی تھی کہنے لگی۔

میڈم آ جائیں Room is Ready میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ لوگ یہاں سروس کرتی ہیں۔''

''یس میڈم'' اس نے دھیرے سے جواب دیا..... اور خود ہی کہنے لگی۔ میرا بھائی بھی ہے..... وہ چھوٹا ہے..... اس لئے مجھے نوکری کرنی پڑتی ہے..... پڑھائی بھی کرتی ہوں۔''

''لیکن یہاں پر تو لاء ہے کہ صرف ایک ہی بچہ پیدا کرتے ہیں۔''

''میم آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن ہم شہر سے دور رہتے ہیں میری ماں کو لڑکے کا بہت شوق تھا..... جب بھائی پیدا ہوا تو کچھ ہی عرصے کے بعد میرے باپ کی وفات ہوگئی تھی..... لہٰذا میں اور ماں مل کر سارا خرچہ اٹھاتے ہیں''..... وہ بمشکل اٹھارہ سے بیس سال کی ہوگی..... چین میں بھی باہر کے ملکوں کی طرح تھا کہ سب گھر والے کماتے ہیں تب جا کر گزارہ ہوتا ہے..... مگر ایک بات تھی..... کہ ان ملکوں میں ہمارے دیش کی طرح غربت نہیں تھی۔ کہ سفید پوش لوگ بھیک تو مانگ نہیں سکتے تھے مگر وہ کئی کئی روز فاقوں پر رہتے ہیں۔ کسی سے شکوہ نہیں کرتے اور ان کے مقابلے میں جو گداگر ہیں وہ کروڑ پتی ہوتے ہیں۔

انہوں نے ایک ہی شہر میں مختلف گداگری کے اڈے کھول رکھے ہیں..... وہ عیش کرتے ہیں اور لوگ انہی فقیروں کو کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں مگر ان لوگوں کی طرف ان کا دھیان نہیں جاتا کہ وہ مفلسی کے ہاتھوں کتنا تنگ ہیں..... خاص کر کے پراندے لاسٹک پہنیں اور آزار بند بیچنے والے لڑکے یا معذور شخص گاڑیوں کے سامنے اپنا چھوٹا سا چھابہ لیئے آتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ ان کو خرید لیں..... اول تو لوگ خریدتے ہی نہیں اگر خریدتے ہیں تو ان سے بھاؤ تاؤ کرنے لگ جاتے ہیں..... یہ نہیں سوچتے کہ فقیر تو بغیر کچھ دیئے روپیہ بٹور لیتے ہیں..... اور اصل مستحق یہ لوگ ہوتے ہیں ان بیچاروں سے کبھی سودے بازی نہیں کرنی چاہیے۔ میں کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ اس لڑکی کی آواز آئی۔

''میڈم میں جاؤں''

''تم کہاں رہتی ہو'' میرے سوال پر بتانے لگی۔

یہاں سے ایک گھنٹہ سائیکل پر لگتا ہے..... آرام سے گھر پہنچ جاتی ہوں..... پھر کیا بتاؤں کہ مجھے اتنی بھوک ستاتی ہے کہ ماں جلدی سے کھانا لے آتی ہے۔''

''تمہیں ہوٹل سے کھانا نہیں ملتا'' مجھے اچانک اس پر ترس آ گیا تھا۔

''میری نوکری کھانے والی نہیں ہے..... کھانا اگر دیں تو تنخواہ کم ملتی ہے۔''

اس کی بات بھی ٹھیک تھی ماں کھانا بنانے والی تھی زیادہ تنخواہ کے لیے اس نے نوکری کی تھی۔ ''گھر اپنا ہے۔''

''جی''.....

ویسے ماں کے پاس اپنی گاڑی بھی ہے..... . چھٹی کے روز ماں کے ساتھ گاڑی پر ہی جاتی ہوں.....

''بھائی کتنا بڑا ہے۔''

وہ سکول جانے کے قابل ہو گیا ہے..... میں ماما کو کہتی ہوں کہ بھائی بڑا ہو کر نوکری پر چلا جائے گا..... میری بھی شادی ہو جائے گی..... ماما شادی کر لیں تو بہتر ہے۔''

میں حیران تھی کہ یہاں بچے خود والدین کو دوسری شادی کرنے کے لیے کہتے ہیں۔''..... ''تو ماما شادی کر لیں گی۔''

''ابھی نہیں مانتی بھائی چھوٹا ہے..... ویسے بھی ماما دوسری عورتوں سے مختلف ہیں شاید شادی نہ کریں''..... تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا ٹیرا کوٹا میوزیم جانے کے لیے میں نے اسے جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

پھر ملاقات ہو گی..... وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی تھی۔

Xian کے پر رونق بازار سے گزرتے ہوئے ٹیرا کوٹا میوزیم کی جانب جا رہے تھے۔ چینی عورتیں مرد بچے جوان سائیکلوں پر سوار اپنی اپنی مطلوبہ جگہوں پر جا رہے تھے۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر ٹیرا کوٹا میوزیم آ گیا تھا۔

Museum of Terra- Cotta- Warriors and Horses یہ اندونی شہر کے باہر بڑی سی عمارت تھی۔

Qin Shihuang کن شہوانگ۔ چین کے پہلے شہنشاہ کے مقبرے سے بہت سے نوادرات ملے تھے۔ ان میں خاص اہمیت کے حامل ٹیرا کوٹا جو کہ ایک خاص قسم کی مٹی ہوتی تھی۔ اس کے بنے ہوئے جنگجو اور گھوڑے تھے۔ یہ ایک عجائب گھر میں رکھے گئے ہیں۔

کن شہوانگ ۲۵۹ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور ۲۱۰ قبل مسیح وفات پائی۔ یہ چین کا پہلا شہنشاہ ہے جس نے مضبوط شہنشاہت کی اور ۲۲ سال کی عمر میں اقتدار سنبھالا اور دس سال جنگ میں ملوث رہنے کے بعد اس نے چین میں پانچ ہزار سال سے چلتے ہوئے فسادات کو ختم کیا اور ایک متحد سلطنت بنائی۔ اس شہنشاہ نے پیسے اور وزن ناپنے کے پیمانوں کو سارے چین میں ایک جیسا کر دیا۔ جو

کہ پہلے مختلف ریاستوں میں مختلف ہوتے تھے۔اس کے زمانے میں چین نے بڑی ترقی کی..... لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔اس نے چین کے عظیم فلاسفر کنفیوشس کی کتابیں جلوا ڈالیں اور اس کے سینکڑوں ماننے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا..... وہ ایک عیاش شخص بھی تھا..... اس نے چین میں سات سو محل بنوائے اس کے ساتھ ساتھ اپنا مقبرہ بہت بڑا بنوایا۔اس مقبرے میں قیمتی نوادرات دفنائے گئے تھے..... یہ مقبرہ ۲۵.۵۶ سکوائر میٹر ہے۔اور یہ لی پہاڑ اور وائے دریا کے بیچ واقع ہے۔اس کو بنانے کے لیے ۷۲۰،۰۰۰ قیدیوں کو تمام سلطنت سے جمع کیا گیا تھا۔اس مقبرے میں مکینکل تیر کمان چسپاں کیے گئے تھے تاکہ جو کوئی بھی اس میں قدم رکھے تو وہ تیر اس پر برس پڑیں۔مرکری دھات سے اس میں نقلی دریا اور سمندر بنائے جو میکینکل طور پر بہتے نظر آتے تھے اور چھت کے اوپر ستارے اور کہکشاں بنائی گئی تھی اور مقبرے کی زمین پر۔زمین کے مختلف جغرافیائی خطے دکھائے گئے تھے۔جب بادشاہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا جو اس کی جگہ تخت نشین ہوا اس نے بادشاہ کے ساتھ۔ان تمام کنیزوں اور لونڈیوں کو بھی زندہ دفنایا۔جن کے بچے نہیں تھے۔اس ڈر سے کہ کہیں مقبرے کے اندرونی راستوں اور مراس میں دفنائے گئے خزانوں تک پہنچنے کے راستوں کا راز فاش نہ ہو جائے۔ ہزاروں کاریگروں جن کو ان کے بارے میں علم تھا۔مقبرے میں زندہ دفنا دیا گیا .....اس مقبرے کے مختلف حصے ہیں جن میں مختلف چیزیں دفنائی گئیں..... مثلاً ایک حصے میں نادر پرندے اور جانور ہیں .....جو کہ بادشاہ کے شکار کے شوق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ایک اور حصے کو شاہی اصطبلوں کی طرح بنایا گیا تھا..... لیکن جو سب سے اہم حصے وہ ہیں ٹیراکوٹا جنگجو سپاہی اور گھوڑوں پر مشتمل ہیں۔شہنشاہ کی زبردست فوج کی نمائندگی کرتے ہیں۔

وہ جنگجو سپاہی اس مقبرے کی کھودائی کے بعد لائینوں کی صورت میں کھڑے ملے تھے جیسے فوجی مارچ پاس کرنے کے لیے لائن کی صورت میں کھڑے ہوتے ہیں۔اور اسی طرح کے گھوڑے بھی اسی آڈر پر کھودائی پر نظر آئے تھے..... یعنی یہ اس شہنشاہ کی زبردست فوج کی نمائندگی کرتے تھے۔

پورا مقبرہ شہنشاہ کی سلطنت کی شان وشوکت ظاہر کرتا ہے اس کے بنانے کا مقصد یہ تھا کہ وفات کے بعد شہنشاہ آرام وسکون اور اسی طرح شان وشوکت کے ساتھ رہ سکے جو چیزیں اسے زندگی میں نصیب تھیں ۱۹۸۷..... ء میں Onesco نے اس مقبرے کو بین الاقوامی نوعیت (Devel) کا ثقافتی (کلچرل) ورثہ قرار دیا تھا۔

ٹیراکوٹا کے تمام جنگجو اور گھوڑے اصلی انسانوں اور گھوڑوں کے سائز کے ہیں۔جیسا کہ میں لکھ چکی ہوں ان سب کو ترتیب میں کھڑا کیا گیا تھا اور اصلی فوج کے تمام حصے اس میں دکھائے گئے تھے۔جیسے پیدل سپاہی..... گھوڑسوار اور فوج۔

یہ میوزیم اتنا بڑا تھا کہ کئی ہال تھے جہاں دیواروں کے ساتھ شوکیسوں میں ٹیراکوٹا سے تیار کردہ انسانوں کے دھڑ اور کسی کا بازو کٹا ہوا تھا..... کسی کا سر اور کسی کی ٹانگیں..... یہ وہ مٹی کے پتلے تھے جو کہ کھودائی کرتے وقت ٹوٹ گئے تھے..... ان کو دیکھ دیکھ کر خوف طاری ہو رہا تھا۔ اسی طرح ایک اور ہال میں جہاں اصلی گھوڑوں کے سائز کے مٹی کے گھوڑے شیشوں کے کیبن میں تھے .....وہ اصلی معلوم ہو رہے تھے..... کہیں کہیں شوکیسوں میں فوجی افسران کھڑے دکھائی دے رہے تھے..... وہاں سے ہٹ کر ہم ایک ٹیرس پر آئے تو یہ ہال سے منسلک تھا..... ٹیرس کے جنگلے سے نیچے گہرائی پر ٹیراکوٹا کی فوج بڑی ترتیب سے کھڑی تھی۔ باقاعدہ یونی فورم فوجیوں نے پہنا ہوا تھا..... وہاں کھڑے ہو کر خوف طاری ہو رہا تھا نہ جانے بادشاہ اس فوج کے کس طرف مقبرے میں دفن ہے..... وہ مرا بھی تو اس نے سوچا شاہانہ طریقے سے اور انہی سہولتوں اور شان و شوکت کے ساتھ میں قبر میں رہوں گا..... کئی لوگ جو زندہ ہی ساتھ دفن ہوئے تھے..... ان کی زندگیوں کا نہ سوچا گیا تھا..... اتنا بے حس انسان جو کہ اپنی شان آن بان کے لیے اس نے یہ وصیت کی تھی تو کیا وہ قبر میں چین سے رہا ہوگا..... خدا ظلم کو پسند نہیں کرتا۔

میں سوچ رہی تھی کہ نادرہ بھابھی نے دھیرے سے کہا بلقیس یہاں سے تو خوف پیدا ہوتا ہے..... کتنا ظالم شہنشاہ تھا..... ڈر لگ رہا ہے۔''

''چھوڑیں بھی..... اب وہ مر گیا ہے..... صدیاں بیت گئیں اب ڈرنا کیا''..... میں نے بہادری سے جواب دیا..... حالانکہ مجھ پر بھی خوف طاری تھا۔

چیف جسٹس ارشاد صاحب اور ان کا وفد گھوم پھر رہے تھے..... میں نادرہ بھابھی کے ساتھ اس مقام کے بارے میں غور و خوص کر رہی تھی۔

Xian میں یہ میوزیم اپنی نوعیت کا عبرت ناک میوزیم تھا..... جہاں ہمارے علاوہ کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔

عجائب گھر سے منسلک ایک ہیڈی کرافٹ کی دوکان تھی ہم سب اس میں داخل ہو گئے تھے..... وہ دوکان کیا تھی۔ ایک بہت بڑا شوروم تھا جہاں خاص چائینز نوادرات اور قالین تھے وہ اتنے مہنگے تھے کہ چھوٹا سا سویٹر بھی نہیں لے سکتے تھے بہت بڑا ہال تھا اور اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بھی تھے بڑے ہال میں چند لڑکیاں ہاتھ سے قالین بن رہی تھیں..... یہ چینی لڑکیاں تھیں..... مجھے اور نادرہ بھابھی کو دیکھ کر مسکرائیں..... جب بات کرنی چاہی تو وہ صرف مسکرا پڑیں۔ تب اندازہ ہوا کہ انہیں انگریزی نہیں آتی ہے۔ ان کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے..... یورپ جائیں..... امریکہ یا کینڈا ہر جگہ خواتین کام کرتی

نظر آتی ہیں..... یہ عورتیں ہماری عورتوں سے مختلف ہیں..... یہ روزی کمانے کے لیے بہت محنت کرتی ہیں..... ہر میدان میں عورت کا رواج ہے..... عورتوں کے حقوق ہی بہت ہیں..... ان تھک محنت کرتی ہیں تو اس کا پھل بھی ملتا ہے .....عورت کے حقوق اگر شوہر نہیں دے سکتا تو حکومت ان کے حقوق دلاتی ہے..... جس سے وہ Independent (آزاد) ہوتی ہیں..... چین میں بھی عورتوں کو اپنی شادی کے لیے پوری آزادی ہے..... والدین ان پر دباؤ نہیں ڈال سکتے..... ابھی میں نادرہ بھابھی کے ساتھ گھوم پھر ہی رہی تھی..... ہمارے وفد میں سے قاضی فاروق صاحب نے کچھ نوادرات خرید لئے..... شوکیسوں میں موتیوں کے زیورات سجے ہوئے تھے مگر بے انتہا مہنگے تھے ان کو دیکھ کر ہی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ قالین دیواروں پر سجے..... ہال کے درمیان تہہ کئے رکھے تھے غرض کہ لڑکیاں قالین بنا رہی تھیں..... جو کہ خاص چین کی سوغات کی تھی..... ہم ان قالینوں کو دیکھ دیکھ کر محفوظ ہو رہے تھے..... میرے لئے اتنا ہی کافی تھا .....دراصل ان قالینوں میں اتنی چمک تھی کہ ہمارے پاکستان میں شائد اس چمک دمک کو پسند نہ کیا جاتا۔

وفد کے صرف ایک شخص نے خریداری کی تھی۔ ارشاد صاحب اور ان کی اہلیہ کو شاپنگ کا شوق ہی نہیں تھا..... ہاں البتہ شاپنگ کروں یا نہ کروں مجھے ونڈو شاپنگ کا بہت شوق ہے میں یہ اندازہ لگاتی ہوں کہ ان کی چیزیں ہم سے کتنی مختلف ہیں..... حیران اس بات پر تھی کہ وہی چیزیں جو پاکستان میں اتنی سستی ہیں..... اور چین میں کیوں اتنی مہنگی ہیں..... اس کا جواب یہی تھا کہ بعض چیزیں سمگل ہو کر پاکستان آتی ہیں جن کی قیمت کم ہوتی ہے..... اور شاید وہ ایکسپورٹ کوالٹی ہو..... انہی خیالات کے تانے بانے میں الجھی واپس ہوٹل حیات پہنچ گئی تھی۔

ٹیراکوٹا میوزیم سے آن کر کچھ دیر آرام کیا رات کے وقت عشائیہ پر جانا تھا..... یہ کھانا ہوٹل میں ہی دیا جا رہا تھا کمرے کے کرٹن ہٹائے تو ہلکی ہلکی بوندہ باندی ہو رہی تھی۔ لوگ چھاتے لئے ہر طرف چلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے..... سائیکل سوار پیدل چلنے والے بسوں میں بیٹھنے والے سب لوگوں کے ہاتھ میں چھاتا تھا..... کھانے میں ابھی کافی وقت تھا..... میں اپنے میاں کے ساتھ کمرے سے نیچے آئی تو سوچا کیوں نہ ان دو گھنٹوں کو صرف کیا جائے..... ہوٹل کے عین سامنے بہت سی دوکانیں تھی۔ ان لوگوں کو چھاتے لئے گھومتے دیکھ کر میرا بھی حوصلہ بڑھا..... ہوٹل کے گیٹ کے پاس دربان باہر جانے والوں کو چھاتے دے رہا تھا لہٰذا ہم نے بھی لئے اور چوڑی سی سڑک کو کراس کرنے کا سوچا مگر اس قدر رش تھا کہ چلتی ٹریفک میں سڑک کراس کرنا محال ہو رہا تھا..... لہٰذا..... جونہی ٹریفک بند ہوئی تو ہم نے وہ کشادہ سڑک کو پار کر لیا اور ان دوکانوں کی جانب بڑھ گئے

تھے..... یہ سارے ٹرپ میں پہلا موقع تھا جو اکیلے میں میاں کے ساتھ آئی تھی۔ لینا کچھ بھی نہیں تھا۔ بوریت دور کرنے کے لیے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے ان دوکانوں پر نظر دوڑانے لگی تھی..... ان دوکانوں کے بیچ بہت بڑا اسٹور تھا..... وہاں جا کر حیرت گم ہوگئی تھی..... شی یان پہنچ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ بس یہ درمیانے درجے کا شہر ہے..... مگر دوکانوں میں بڑھیا اور مہنگی چیزیں..... ایسی نایاب اشیاء جو کہ میں نے پاکستان میں نہیں دیکھی تھیں..... یہ علاقہ Xian شہر کا مہنگا ترین علاقہ تھا..... ان دوکانوں پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد میں اس بڑے سٹور میں گھس گئی تھی۔ اس وقت بادل زور سے کڑکے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی تھی..... مگر اس تیز بارش میں بھی لوگوں کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اسی طرح سڑکوں پر گہما گہمی تھی۔ بس فرق صرف چھاتوں کا تھا جو انہوں نے بارش سے بچاؤ کے لیے کھول رکھے تھے۔

سٹور کے شروع ہوتے ہی میک اپ کا سیکشن تھا۔ یہ وہی میک اپ تھا جو کہ آپ کو امریکہ اور لندن میں بھی دستیاب ہوتا ہے اسی ریک پر تمام چیزیں مہیا تھیں..... بنی سنوری لڑکیاں انگریزی بولنا بھی جانتی تھیں..... زیادہ تر کالے ٹائیٹ سکرٹ پہنے ہوئے نظروں کے سامنے سے گزرنے لگی تھیں پھر اس کے بعد جوتوں کا بہت ہی بڑا سیکشن..... قیمتی سے قیمتی جوتا جو کہ لندن کے ریٹ کا دستیاب تھا۔ مجھے حیرانگی اس بات کی ہوئی کہ پاکستان میں چائنیز چیزیں اس قدر سستی ملتی ہیں۔ پھر یہاں چین میں کیوں اتنی مہنگی ہیں..... دراصل ایک تو مہنگا علاقہ اور شاید جوتوں کی کوالٹی عمدہ تھی جس کی وجہ سے وہ مہنگی لگ رہی تھیں..... پھر مسئلہ کرنسی کا بھی تھا ان لڑکیوں کو میں نے یورپ یا امریکہ کی طرح ایفشینٹ نہیں پایا تھا..... امریکی ڈالر کو اپنی کرنسی میں بدلنے کے لیے اتنی دیر لگا رہی تھیں کہ جی کرنے لگا کہ یہاں سے بھاگ جائیں..... کچھ خریدنے کا اگر کوئی جذبہ بھی تھا تو وہ بھی جاتا رہا تھا..... اور میں نے جوتوں کے سیکشن کو خیر باد کیا اور اونی ملبوسات کی طرف بڑھی جو کہ ہر ملک کے دکھائی دے رہے تھے..... ایک تو زبان کا مسئلہ اور دوسرا کرنسی تبدیل کرنے کا بھی مسئلہ درپیش تھا..... میرے میاں خاموشی سے مردانے جوتے دیکھنے میں مصروف تھے..... ہنسی مسکراتی لڑکیوں کا اس سٹور میں راج تھا..... ایک لڑکی بھی مجھے کاہل اور سست نہیں لگی تھی۔ پھرتیلی بلا کی تھیں۔ مگر کرنسی تبدیل کرنے کے معاملے میں نالائق تھیں..... کئی کئی منٹ کیلولیٹر لیکر حساب لگاتیں۔ پھر مسکراتیں..... انگریزی ٹوٹی پھوٹی بولتے مولتے چینی زبان بولنے لگ جاتیں..... جب پھر بھی سمجھ نہ آتی تو ایسے آدمی کو لیکر آتیں جسے انگریزی زبان اچھی طرح بولنی آتی تھی..... اس سٹور میں چکا چوند کرنے والی روشنیاں جگمگا رہی تھیں..... چیزیں اتنے سلیقے اور صفائی سے رکھی تھیں کہ بہت بھلی دکھائی دے رہی تھیں..... ان سے مغز کھپائی کرنے والی بات تھی..... خریداری کا ارادہ ترک کر دیا تھا

.....یہی سوچا کہ بس تھوڑی سی تفریح کر لی جائے تو مناسب بات رہے گا۔

یہ ایک ایسا ملک ہے کہ جہاں زبان کا بہت بڑا مسئلہ تھا..... وہ آپس میں چینی زبان بولتے..... اور گاہکوں سے ڈیلنگ کرتے ہوئے یہی توقع کرتے کہ ان کی ہی زبان بولی جائے..... کیوں کے بار بار وہ منیجر کو بلا کر لاتے اور وہ ہر مرتبہ انگریزی میں چیزوں کی قیمتوں کے بارے میں بتاتا..... یہ ایسا سٹور تھا جہاں پر اشیاء کی قیمتیں فکس تھیں..... ورنہ تو بیجنگ میں مختلف اشیاء لیتے وقت بھاؤ تاؤ اور سودے بازی چلتی تھی..... وہاں پر کافی لوگوں کو انگریزی بھی آتی تھی مگر Xian میں بہت کم لوگوں کو انگریزی زبان میں عبور حاصل تھا..... مجھے خریداری کرنے کا افسوس نہیں تھا بلکہ رنج اس بات کا تھا کہ وہ ہماری اور ہم ان کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے..... یہ تو دوکان دار تھے مگر وہاں کے ججز، وکلاء یہاں تک کہ چیف جسٹس آف چین کو انگریزی سمجھ نہیں آتی تھی۔ ٹرانسلیٹر ان کے ہمراہ ہوتے تھے..... ایک جج جو کہ سپریم کورٹ سے تعلق رکھتے تھے..... ان سے میری گفتگو انگریزی میں خوب ہوتی تھی..... وہ بڑی اچھی انگریزی بولتے تھے..... ان کے کہنے کے مطابق ان کی اہلیہ بھی لاء ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کرتی تھی اسے بھی انگریزی میں عبور حاصل تھا..... وہ شنگھائی سے آئے تھے..... اور ڈیلی گیٹز کے ساتھ اپنا وقت گزار رہے تھے..... جہاں کہیں کھانے یا سیر پر جاتے وہ بھی ہمارے ہمراہ جاتے..... چین کے لوگ اور وہاں کے کلچر کے بارے میں بہت سی معلومات دیتے رہے تھے..... انہیں پاکستان دیکھنے کا بہت شوق تھا..... وہ اس بات پر بھی بہت خوش تھے کہ چین اور پاکستان کی دوستی گہری ہوگئی ہے..... اب پاکستان کے دعوت نامے پر جانا مشکل نہیں ہے..... وہ مجھے بار بار کہتے ..... ہمیں بھولیئے گا نہیں"..... مجھے ایسا لگنے لگا کہ وہ سمجھتے ہیں جیسے سب کچھ میرے ہی اختیار میں ہو..... میں مسکرا کر جواب دیتی..... "جب بھی دعوت نامہ جائیگا آپ کا اور آپ کی اہلیہ کا نام ضرور ہوگا"..... یہ واحد ملک ہے جہاں پر میں نے لوگوں کا پرجوش جذبہ دیکھا تھا پاکستان آنے کے لیے ورنہ تیسری دنیا میں آنا کسے پسند تھا اور وہ بھی سخت گرم ملک میں جہاں نو مہینے گرمی پڑتی ہو..... خیر میں بھی اس سٹور کی چیزیں دیکھتی دیکھتے جانے کہاں کھو گئی تھی۔

بارش یک دم تھم گئی لوگوں کے کھلے چھاتے بند ہونے لگے تھے..... آہستہ آہستہ دوکانیں بھی بند ہونا شروع ہوگئی تھیں..... وہ لڑکیاں مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے ادھر سے ادھر تیز چل رہی تھیں..... گاہکوں کو سٹور بند ہونے کا وقت بتانے لگی تھیں..... پھر سٹور میں اناؤنسمنٹ ہونے لگی تھی "سٹور بند ہونے کا وقت ہوگیا ہے برائے کرم آپ تشریف لے جائیں۔"

میں اسٹور سے نکل کر باہر آئی تو Xian کی عمارتوں سے پھوٹتی ہوئی روشنیاں کچھ اور بھی تیز ہوگئی تھیں۔ رات کا سماں دلفریب

ہوگیا تھا..... گوکہ دوکانیں بند ہورہی تھیں مگر دوکانوں کے باہر شوکیسوں میں بتیاں جگمگا رہی تھیں..... چیزیں ڈسپلے کی ہوئی تھیں۔اس وقت بہت ہی اچھا موقع تھا ونڈو شاپنگ اور سیر کرنے کا۔

سڑک کے آخری کنارے پر چھوٹی سی سڑک جو کہ سائیکلوں کے لیے مخصوص تھی۔سٹور سے لڑکیاں نکل کر اس چھوٹی سی سڑک پر سائیکلوں پر اپنے اپنے گھروں کی طرف جانے لگی تھیں۔اسی طرح کچھ اور دوکانوں سے مرد اور عورتیں نکل کر سائیکلوں کے ذریعے اسی سڑک پر جانے لگے تھے..... موٹر کاریں بسیں اور پیدل چلنے والوں کے لیے کسی قسم کی دشواری نہیں تھی۔ ہر کوئی مطمین اور محفوظ طریقے سے اپنے اپنے گھر جارہا تھا..... ٹریفک بھی منظم تھی..... اتنی رات ہوچکی تھی جوان لڑکیاں اکیلی ہی فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے بس سٹینڈ کی جانب بھر رہی تھیں..... اس کا مطلب تھا کہ یہ شہر بھی پرامن ہے..... دہشت گردی اور چور بازاری سے پاک ہے..... لڑکیاں خود سے خراب ہو تو الگ بات ہے ورنہ ان کا کوئی پیچھا نہیں کرتا..... اغوا اور چھیڑ خانی نہیں کرتا ..... ہر کوئی اپنی اپنی دھن میں مست گھروں کو لوٹ رہا تھا..... چینی لوگوں کی اپنی ہی دنیا تھی..... کسی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا..... بلاغرض..... وہ اپنی منزلوں کی جانب گامزن تھے..... اور پاکستان ایک ایسا ملک بن گیا ہے جہاں لوگوں کو آزادی راس نہیں آتی ہے..... وہ سب خرافات کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔رات کے وقت تو ایک طرف دن کے وقت بھی ایک اکیلی لڑکی کی عزت محفوظ نہیں ہے..... چوری ڈکیتی کیا کچھ نہیں ہورہا ہے..... مگر سوائے اللہ کے کوئی ان کی روک تھام نہیں کرسکتا..... انہی خیالوں میں الجھی اپنے میاں کے ساتھ واپس ہوٹل پہنچی تو سب لوگ لابی میں ہمارا انتظار کررہے تھے..... ہم ان کے ساتھ ڈائنگ روم میں کھانے کے لیے چلے گئے تھے۔

ڈنر کے بعد Tang Dynasty Style Perormos Xian Opera دیکھنے کے لیے شہر سے گزرے تو عمارتوں سے روشنیاں چھن چھن کرتی سڑکوں کے کنارے سے لگے درختوں کو منور کررہی تھیں۔مختلف سڑکوں سے گھومتی گھماتی گاڑیاں شبیان اوپرا کے پورچ پر کھڑی ہوگئی تھی۔کئی خاندان بمعہ بچوں کے ٹکٹیں لے کر اندر داخل ہورہے تھے..... یہاں پر بھی ڈنر اور شو ایک ساتھ تھا۔کھانا تو ہم کھا کر آئے تھے..... ڈرائی فروٹ اور قہوے پر اکتفا کرنے لگے..... سٹیج کی روشنی سے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ بخوبی دکھائی دے رہے تھے..... ہال تقریباً کھچا کھچ بھرا ہوا تھا..... میں حیران تھی کہ چائینز لوگ اوپرا دیکھنے کے لیے دور دور سے آتے تھے اور اپنی پرانی روایات کو برقرار رکھا ہوا تھا۔گوکہ لوگ ساتھ ساتھ آرڈر کے مطابق کھانا بھی کھا رہے تھے مگر ہال میں خاموشی چھائی تھی۔

شوشروع ہوگیا تھا..... چینی لڑکیاں شوخ رنگوں کے لباس اور شوخ میک اپ میں ناچ کرنے لگی تھیں..... ناچ کے ساتھ ساتھ ستار بھی بجارہی تھیں۔مختلف بالکنیوں میں کئی خاندان بیٹھے تھے۔چینی خواتین کو بننے سنورنے کا شعور آ گیا تھا وہ خوب تیار ہوکر آئی تھیں..... بچے ان کے مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ارشاد صاحب اور نادرہ بھابھی ہماری میز پر بیٹھے تھے..... پرانے زمانے سے لیکر اسی انداز سے Opera کے شوہو رہے تھے۔لوگوں کی دلچسپی ابھی تک برقرار تھی..... لڑکیاں لباس بدل بدل کر اور مختلف انداز میں چینی گانے گاتے ہوئے ناچ رہی تھیں..... ان کے محبوب بھی جھنڈے لہراتے ہوئے آ کر ان کے ناچ میں شامل ہوگئے تھے..... پیانو پر چند لوگ بیٹھے گانا گا رہے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ لڑکیاں گا رہی ہیں..... ان کے گانوں کے بول سمجھنے کے لیے دائیں اور بائیں دیواروں پر سلائیڈ کے ذریعے انگریزی زبان میں ترجمہ آ رہا تھا۔

کبھی کبھی ارشاد بھائی ہولے ہولے باتیں بھی کر لیتے تھے..... ہمارے گروپ کے لوگ مختلف میزوں پر بیٹھے ہوئے تھے.....وہ خوش تھے انجوائے کر رہے تھے..... گھر کی یاد تقریباً اس وقت ان کو نہیں ستا رہی تھی..... اس وقت وہ لڑکیوں کے ناچ سے انجوئے کر رہے تھے..... یہ کیا تمام ہال کے لوگ محفوظ ہو رہے تھے کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا..... ایک سیٹ پر محبوب گانا گاتا ہے..... اور اس کے ساتھی جھنڈے لہراتے ہوئے آتے ہیں..... کچھ ساتھی تلواریں لئے ہوئے لڑائی کے موڈ میں آتے ہیں اور تلوار بازی ہوتی ہے ان کے کرتب دکھائے جاتے ہیں..... ہیروئن لڑکی کسی طرح سے ان کا مقابلہ کرتی ہے .....اپنے پاؤں سے تلواریں اچھالتی ہے..... غرض کے وہاں عجیب ہی سماں تھا..... عمر رسیدہ خواتین بھی بڑے شوق اور ذوق کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔

دربار کا سین بھی دکھایا ہے اپنی ملکہ کے ساتھ شہنشاہ بیٹھا ہے محبوبہ کی تلاش ہے..... کچھ لڑکیاں ناچ کرتی ہیں..... ان میں سے اس کو اپنی محبوبہ نظر آ جاتی ہے اور وہ اس کے ساتھ خوشی سے ناچ کرنے لگ جاتا ہے..... اس طرح اس شو کا اختتام ہوجاتا ہے۔

تقریباً باہر نکلتے ہی سب کے چہرے مسرور دکھائی دے رہے تھے..... لوگ کافی انجوائے کر چکے تھے..... میں سوچنے لگی کہ باہر کی دنیا میں رہنے والے لوگ اپنی تفریح کا سامان مہیا کر لیتے ہیں..... ہفتہ بھر کی تھکن وہ ایک دن میں ہی اتار لیتے ہیں..... کھاتے پیتے اور خوب انجوائے کر لیتے ہیں..... ہر کوئی کھاتا ہے..... گھر میں ''چولہا کیسے چلے گا'' اس کی بھی انہیں فکر نہیں ہوتی ہے..... گاڑی میں بیٹھی چینی لوگوں کا تصور کر رہی تھی۔

ناشتہ کے بعد آج شنگھائی میں ہم لوگوں کی روانگی تھی..... جونہی میں ڈائننگ روم میں ناشتے کے لیے پہنچی تو وہاں پر کافی سیاح اور مقامی لوگ دکھائی دے رہے تھے..... ایک طرف بوفے کا میز لگا ہوا تھا جہاں دنیا جہاں کی الٹی پلٹی ڈشیں اور پنیر مکھن جیم سریل اور ہر طرح کے جوسز..... غرض کہ ان کے حساب سے کسی چیز کی کمی نہیں تھی..... دائیں جانب ہال کے کونے پر ایک شخص بیٹھا ہوا کچھ تلتے ہوئے دکھائی دے رہا تھا۔ سوچا تو ہی تھا کہ انڈا فرائی توس کے ساتھ لیا جائے میں جونہی وہاں پہنچی تو لوگ لائین کی صورت وہاں کھڑے تھے اور وہ جو کچھ کر رہا تھا میں دیکھ نہ سکی اور گھبراہٹ کے مارے اپنے میز پر آ کر ہی دم لیا جہاں نادرہ بھابھی ادشاد بھائی اور ریاض پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ میں ناشتہ ہی نہیں کرتی ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا''

نادرہ بھابھی نے حیرانگی سے پوچھا۔

وہ زندہ مینڈک بغیر ذبح کئے اور صاف کئے..... فرائی پین میں تل رہے ہیں اور لوگوں کا وہاں ہجوم ہے''..... ''اچھا'' وہ بھی پریشان ہوگئی تھیں..... قریب سے گزرتے ہوئے ویٹر سے پوچھا۔

''کیا انڈا وہاں سے فرائی کروانا پڑے گا'' وہ مسکرایا اور بولا۔

''اگر آپ کو کوئی چیز وہاں سے فرائی کروانی ہے تو میں کروا دیتا ہوں''..... ہوٹل والے بھی عزت و احترام میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے..... میں نے بوکھلاہٹ میں کہا۔

''وہاں سے کچھ نہیں لینا ہے''

''میڈم آپ کے لیے میں دوسرے کچن سے انڈا فرائی کروا دیتا ہوں''

''وہاں سے'' میرا دل دھڑکا..... کیونکہ کھانا بھی ضروری تھا سارا دن کو بھوکے نہیں رہ سکتے تھے اور میں ناشتے پر ہی گزارہ کرتی ہوں۔

''جی وہاں صرف انڈے ہی تلے جاتے ہیں''..... وہ پھر گویا ہوا

''مگر یہاں کی سپیشلیٹی تو ٹرائے کریں۔''

''آپ ہم سب کے لیے فرائی انڈا اور توس لے آئیں مہربانی ہوگی۔''

''نو پرابلم'' نادرہ بھابھی نے دھیرے سے کہا۔

''میں نے تو وہاں دیکھا بھی نہیں اور سیدھی میز پر پہنچ گئی ہوں''

ریاض مسکراتے ہوئے گویا ہوئے کھانے پینے کے معاملے میں یہ بہت چوری ہے۔ سب کچھ سروے کر لیتی ہے۔''

''اچھا ہی ہوا کہ بلقیس نے دیکھ لیا ورنہ وہ اسی پین میں انڈا تل کر لے آتے''..... اب کے نادرہ بھابھی نے مجھ سے کہا وہ بتانے لگیں۔

''میں تو حلال چیز پر بھی کلمہ پڑھتی ہوں اور کوشش یہی کرتی ہوں کہ صاف ستھرا اور پاک کھایا جائے..... اللہ دیکھ رہا ہے انجانے میں کوئی غلط چیز کھالیں تو اس کا پتہ نہیں ہے۔''

ریاض نے جواب دیا۔

''ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم مسلمان ہیں کوئی غلط چیز کھانے کے لیے نہیں دیں گے۔''

ابھی ہم لوگ باتیں ہی کر رہے تھے کہ ویٹر اندر کے کچن سے انڈے فرائی اور توس لے آیا تھا پھر مجھے خیال آیا کہ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں واقعی ہی بہت خیال کیا جا رہا تھا کہ غلط چیز کھانے کے لیے نہ دی جائے..... پھر لوٹے اور مصلے بھی نماز کے لیے پہنچ گئے تھے..... یہ واحد ملک تھا جنہوں نے چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کیا ہوا تھا دھیرے دھیرے ناشتہ کرتے ہوئے میں نے دائیں اور بائیں جانب نظر دوڑائی تو لوگ مینڈک فرائی بڑے شوق سے کھا رہے تھے..... میرے حلق میں ناشتہ پھنس رہا تھا..... ان کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی اور یہ ڈش ان کی محبوب ترین ڈش تھی..... صرف افسوس اس بات کا تھا کہ زندہ مینڈک فرائی پین پر جلتے ہوئے تیل میں ڈال رہے تھے..... اور مینڈک ڈال کر اور ڈھکنا رکھ دیتے تھے..... نجانے اس مینڈک کا کیا حشر ہوتا ہوگا۔

اللہ ہی جانتا ہے ناشتہ سے فارغ ہو کر اوپر کمرے میں سامان باندھا اور آخری نظر ڈالی کوئی شے تو نہیں رہ گئی..... ویٹرس لڑکیاں سامان لینے کے لیے پہنچ گئی تھیں..... بالکل ٹورسٹ کی طرح ہم لوگوں نے اپنا سامان بیجنگ میں چھوڑ دیا تھا اور دو ہینڈ بیگ لیکر Xian اور شنگھائی کے لیے چل پڑے تھے۔

سامان کی وصولی سے بچ گئے تھے..... اسی طرح شی یان کے دیہی علاقے سے گاڑی گزرنے لگی تھی..... ہوٹل سے ائیر پورٹ کا راستہ بہت لمبا تھا..... اس لئے ان کے کھیت اور چھوٹے چھوٹے کاٹج نما گھر دیکھ رہی تھی..... کھیتوں کے ساتھ ساتھ چار سو سبزہ ہی سبزہ تھا..... گاڑیاں اپنی سبک رفتار سے چلتے ہوئے ایر پورٹ کی جانب گامزن تھیں..... شیان کوئی

خوب صورت شہر نہیں تھا۔ یہ پاکستان کے کوئٹہ کے گردونواح کا علاقہ معلوم ہو رہا تھا..... خاص کر ان کا دہی علاقہ کچھ ایسا ہی تھا۔

شیان سے شنگھائی تقریباً دو گھنٹے کا سفر تھا۔ راستے میں سب اپنے وفد کا حال واحوال پوچھتے رہے تھے..... شنگھائی سے اترتے ہی ڈاؤن گاؤن سے پہلے فلیٹ ہی فلیٹ..... ایک اور دو کمروں کی چھوٹی چھوٹی بالکنیوں میں کپڑے سکھانے کے لیے چینی عورتوں نے وہاں اس جگہ پر رسیاں باندھی ہوئی تھیں..... شہر سے گزرتے ہوئے جب عمارتوں پر نظر پڑتی تو بچوں کے کپڑے جو سکھانے کے لیے ڈالے ہوئے نظر آئے..... حالانکہ لندن امریکہ یا کینیڈا میں اس طرح بے تکلفی سے لوگ باہر کپڑے نہیں سکھاتے تھے۔

یہ شہر شیان سے فرق تھا..... یہ خوب صورت شیر تھا جہاں پر اونچی اونچی عمارتیں تھی۔ صاف ستھری سڑکیں صفائی کا خاص خیال رکھا ہوا تھا۔ گاڑی ایک پل سے گزری۔ دائیں ہاتھ مڑ کر سیدھا چلنے لگی..... اور بائیں جانب ہوٹل جنگ جینگ میں جا کر رک گئی تھی۔ یہ شنگھائی کا پرانا اور مہنگا ہوٹل تھا۔ کمروں میں سامان رکھنے کے بعد ہوٹل کے اوپر کے فلور پر یعنی بارہویں منزل پر کھانے کے لیے بلایا گیا تھا..... اس کے بعد Oriwntal Pwarl Tower اوریئل پرل ٹاور دیکھنے کے لیے جانا تھا..... یہ ہوٹل کئی سو سال پرانا تھا۔ پرانے زمانے کا فرنیچر..... وہی سٹائل..... لیکن اس ہوٹل کی بھی نگہداشت اتنی ہی ہوئی تھی کہ دیکھ دیکھ کر رشک آتا تھا..... اوپر پہنچ کر چھوٹے سے ڈائنگ روم میں گول میز صرف ہمارے لئے لگا ہوا تھا۔ وہٹر اور ویٹرس لڑکیاں چاک وچوبند ہمارے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔ بڑی عزت واحترام کے ساتھ اس میز پر لے گئیں اور سب سے پہلے سوپ سے تواضع کی گئی تھی جب معلوم ہوا کہ کچھ ویجیٹیرئن سوپ پینا پسند کریں گے تو انہوں نے فوراً سبزیوں کا سوپ تیار کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا تھا اور اپنی طرف سے خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

کھانے کے بعد اورینٹل پرل ٹاور کی جانب گاڑیاں رواں دواں تھیں۔ اور کچھ ہی منٹوں کے بعد پرل ٹاور کے پاس پہنچ کر رک گئی تھیں۔

اس ٹاور میں گیارہ گول شیپ میں منزلیں موجود تھیں۔ یہ ٹاور Pur River Han کے کنارے پر ہے۔ شاندار تعمیراتی عمارتوں میں سے ایک عمارت ہے۔ اتنا اونچا ہے کہ آسمان تک کا منظر آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ۴۶۸ میٹر اونچا ایشیا کا بلند ترین ٹاور ہے اور دنیا میں نمبر ۳ پر ہے۔ اس کا پورا منظر اور ڈیزائن شاعرانہ اور تصویری شان کا مظہر ہے دیکھنے والوں کو..... بہت سی منزلیں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یاقوت موتی..... اور ایمرلیڈ جڑیں ہوں..... اس میں دو منزلہ لفٹ

ہے جس میں بیک وقت پچاس لوگ آ سکتے ہیں اس کے علاوہ اس میں دو تیز رفتار لفٹیں ہیں۔ اس ٹاور میں تین رخ والی بجلی کی فٹنگ نصب کی گئی ہے۔ جن کی وجہ سے ٹاور خوب صورت روشن اور رنگین نظر آتا ہے۔ شنگھائی شہر کا نظارہ دیکھنے کے لیے ۲۶۳ میٹر بلند گول شیپ میں جگہ ہے۔ اور وہاں پر گھومنے والا ریسٹوینٹ بھی ہے۔ یہ ریستوران ایک گھنٹے میں اپنا چکر پورا کرتا ہے۔ اس میں بہت مختلف قسم کے کھانے پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ ٹاور تخلیاتی شہر اور ایک سائنس فکشن کی بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں اس شہر کا نمونہ (Model) بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہاں ایک تاریخی میوزیم ہے اور اس اوریئنٹل ٹاور میں مختلف قسم کی تفریحات موجود ہیں۔ تاکہ ہر آنے والے کو اپنی پسند کا کچھ نہ کچھ مل جائے۔ مثلاً دوکانیں مختلف تفریحات اور نمائش۔ ریڈیو اور ٹی وی کی نشریات غرض کہ ایک دنیا آباد ہے۔

اوپر کھڑے ہو کر گول شیپ میں جو جگہ تھی۔ وہاں میں اور نادرہ بھابھی نیچے سے پورا شہر دیکھ رہے تھے..... اونچی اونچی عمارتیں جو کہ چھوٹی چھوٹی دکھائی پڑ رہی تھیں۔ ہریالی..... دریا اور اس کے کنارے کشتیاں اور جہاز کھڑے تھے..... کئی کشتیاں چلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں..... اوپر کا منظر بڑا ہی دلفریب تھا یہ اوریئنٹل ٹاور تھا۔ شنگھائی کی خوب صورتی کو دوبالا کر رہا تھا چاروں طرف اس گول شیپ کے ٹیرس سے گھوم رہی تھیں دریا بھی ساتھ ساتھ اس گول شیپ میں گھوم رہا تھا..... وہاں فرش چمکتا ہوا خاص قسم کی ٹائیلز کا تھا..... اتنا صاف کہ پاؤں رکھتے ہوئے خیال آتا کہ میلا نہ ہو جائے..... لڑکی جو وہاں پر گائیڈ کر رہی تھی..... چینی تھی..... اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ چابی والی گڑیا بول رہی ہے..... چابی بھری اور گڑیا بولنے لگ گئی..... نہ جانے کتنے ٹورسٹ کو وہ گائیڈ کرتی رہی ہوگی..... جو بالکل اسکی حالت ایسی گڑیا کی مانند ہو گئی تھی۔ اس ٹاور کے نیچے پہنچ کر دیکھا تو برآمدے کی دیواروں پر بھی ٹاور کی تصویریں آویزاں تھی..... تمام دیواروں پر تصویریں ہی تصویریں تھی۔ سنیک کھانے کے لیے سٹال اور ایک کونے میں میزیں لگی ہوئی تھیں۔ اور سونیر کی دوکانیں بھی تھیں کافی سیاح گھوم پھر رہے تھے ..... یہاں پر بھی فوٹوئیں کھنچی جا رہی تھیں۔ ٹاور کے بعد ایسٹ چائینہ انسٹیٹیوٹ آف پولیٹیکل سائنس اینڈ لاء مرد حضرات نے جانا تھا اور نادرہ بھابھی نے مجھ سے کہا۔

ہم دونوں بازار کا چکر لگا لیتی ہیں۔ شاید شنگھائی میں کوئی اچھی چیز مل جائے۔ جو گائیڈ لڑکی بیجنگ سے آئی تھی۔ وہ تو ارشاد حسن خاں صاحب کے ساتھ میٹنگ پر چلی گئی تھی اس نے ایک اور لڑکی جو کہ انگریزی بول لیتی تھی ہمارے ساتھ کر دی۔

ان لڑکیوں کو بھی انگریزی برائے نام آتی تھی۔ گو کہ چینی تھیں مگر ان کے لباسوں میں شرافت ٹپکتی تھی..... پینٹ اور بلاؤز

عریانی کے بغیر..... وہ ہمیں ایک بہت بڑے ہال میں لے گئی جہاں دنیا جہاں کی چیزیں دستیاب تھیں..... یہ انتہائی بڑا اور مہنگا سٹور تھا اس نے سوچا غیر ملک سے خواتین آئی ہیں خوب مالدار ہونگی..... اسلئے اس نے وہاں لے جانا پسند کیا۔

لیکن سٹور میں گھوم پھر رہی تھی۔ زبان کا مسئلہ درپیش تھا اور امریکی ڈالرز ہاتھ میں تھے..... یہ ایسا سٹور تھا جہاں پر امریکی ڈالرز لینے سے سیلز گرلز انکار کر رہی تھیں..... نادرہ بھابھی کو ایک کلپ پسند آ گیا تھا۔ مگر چینی کرنسی کم پڑ رہی تھی..... یہاں سودے بازی کرنی چاہی تو وہاں کے ریٹ فکس تھے..... وہ لڑکی ہمیں بنک لے گئی جہاں سے ۱۲۰ امریکی ڈالرز چینی ڈالرز میں تبدیل کرنے تھے..... کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی کرنسی تبدیل کرنے کو تیار تھی مگر I.D کارڈ اور پاسپورٹ مانگ رہی تھی۔ نہ تو پاسپورٹ موجود تھا اور نہ ہی I.D کارڈ غرض کہ باہر کے ملکوں میں جا کر انسان چھوٹی چھوٹی مشکلات میں گھر جاتا ہے..... کوئی نہ کوئی دشواری ضرور پیش آتی ہے..... اس لڑکی نے اپنا بیگ کھول کر I.D کارڈ ڈھونڈا تو اسے بھی اپنا I.D کارڈ ڈھونڈا تو اسے بھی اپنا I.D کارڈ نہ ملا تو اس نے بینک میں کرنسی تبدیل کرنے والی لڑکی کو کہا۔

''یہ ٹورسٹ ہیں برائے کرم ان کو کرنسی تبدیل کر دو..... اتنی عاجزی سے جب اس نے کہا تو اس لڑکی نے ہماری گائیڈ لڑکی کو کہا۔

''اچھا تمہیں I.D کوڈ نمبر یاد ہے؟''

''جی''

''وہی کافی ہے'' اس نے اپنا شناختی کارڈ نمبر لکھ دیا۔

اس طرح سے تھوڑی سی شاپنگ یعنی کلپ لے لیے..... اگر وہ لڑکی ہمارے ہمراہ نہ جاتی تو ہم کبھی بھی خریداری نہ کر سکتیں۔

بازار میں اس وقت بہت رش تھا..... موٹر کاریں سائیکلیں اور بسیں تیزی سے گزرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں البتہ بیجنگ اور Xian کے مقابلے میں یہاں سائیکلوں کی بھرمار تھی۔

یہ خوب صورت شہر تھا..... وہاں اندرون علاقے میں شاپنگ سٹور بھی بہت عمدہ تھے..... تسلی سے ان سٹوروں کو دیکھ نہیں پائے تھے کہ رات کو پھر عشائیہ پریذیڈنٹ High People s Court Ten Yilon Shanghai کی جانب تھا..... ایک سٹور میں گھسے ہوئے تھیں۔ جب کوئی چیز پسند آتی پوچھتے تو حیرانگی سے ہمارا منہ دیکھنے لگ جاتیں..... تو گائیڈ لڑکی ہماری مددگار ہوئی تھی وہ چینی زبان میں ان سے پوچھتی اور ہمیں بتاتی..... اس طرح بغیر خریداری کئے ہم دونوں ہوٹل پہنچ گئیں..... وقت کم تھا۔

جلدی جلدی تیار ہوئیں اور سب کے ساتھ عشائیہ کے لیے ٹن یی لون شنگھائی ہائے پیپلز کورٹ کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ رات کو شنگھائی شہر پورے جوبن پر تھا۔ روشنی چھن چھن کرتی عمارتوں پر پڑ رہی تھی..... اونچی اونچی عمارتیں بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔

دس منٹ کی ڈرائیو پر گیسٹ ہاؤس تھا..... متعلقہ لوگ استقبال کے لیے کھڑے تھے..... یہ Xijiao Guest House تھا۔ ایک بہت ہی خوب صورت اور کشادہ ہال میں بٹھایا گیا تھا..... بڑی بڑی پھولوں کی پینٹنگ موسم بہار کی آمد کا پتہ دے رہی تھیں..... سپریم کورٹ کے ججز اور پاکستانی سپریم کورٹ کے ججز کو خوش آمدید کہتے ہوئے بٹھایا گیا..... مووی بن رہی تھی..... بڑے بڑے پلانٹ ہال کے کونوں میں نظر آ رہے تھے۔ پیپلز کورٹ کے صدر اور چیف جسٹس آف پاکستان کے پیچھے ٹرانسلیٹر لڑکی بیٹھی تھی..... آپس میں گفتگو ہونے لگی تھی۔

یہاں پر پاک چین دوستی زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ چیف جسٹس آف پاکستان نے سارے وفد کا تعارف کروایا گیا..... چین کے پیپلز کورٹ کے صدر نے پاک چین کی دوستی کو مزید مستحکم بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ خوشی ہے کہ دونوں ملکوں کی دوستی مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ دونوں ملکر باہمی تجربات سے فائدہ اٹھا کر درپیش چیلنجوں کا کامیابی سے سامنا کر سکتے ہیں۔

انہوں نے بھی ارشاد حسن خاں کو نیشنل جججز کالج کی طرف سے اعزازی پروفیسر شپ کے اعزاز ملنے پر مبارک باد دی۔ اس طرح..... ریسیپشن کے بعد وہ میٹنگ برخاست ہو گئی تھی۔

صبح نو بجے ناشتے کے بعد Vuyuan Garden دیکھنے کے لیے گاڑیوں میں سوار ہوئے ہماری گاڑی کا نمبر تین تھا اسی طرح باقی کے وفد کے بھی مختلف نمبر تھے..... ہوٹل سے روانہ ہوئے تو راستے میں شنگھائی شہر اپنے جوبن پر تھا۔ چین کے بارے میں جو تاثرات میرے دل میں تھے وہ جاتے رہے تھے۔ خوب صورت عمارتیں..... اور باہر سے شیشوں کے دروازے اور کھڑکیاں نمایاں طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ اور کئی عمارتوں کی شکل گول دائروں میں تھیں..... یعنی گول تھی۔ راستے میں کئی شاپنگ پلازہ آئے وہی شیشوں کے بڑے بڑے دروازے اور اوپر عمارتوں پر جاتی ہوئی لفٹیں صاف دکھائی دے رہی تھیں ..... یہاں بھی بیجنگ کی طرح سائیکل سوار تھے مگر بیجنگ سے کم..... اسی طرح سائیکل سواروں کے لیے دورویہ سڑکوں کے ساتھ ساتھ مخصوص سڑکیں تھیں..... تقریباً سب لوگ خوش تھے۔ کیونکہ ٹھیک دو دن بعد ہماری روانگی تھی۔ اس سے بیشتر وہ اپنے بچوں

کے لیے کچھ شاپنگ کرنا چاہتے تھے مگر ہمارا وقت اتنی مصروفیت میں گزرا تھا کہ ایک پل اور خاص طور پر مرد حضرات کو ایک لمحہ بھی نہیں ملا تھا کہ وہ بیوی بچوں کے لیے کچھ خرید سکیں..... جب انہیں معلوم ہوا کہ اس پارک میں میوزیم ہی نہیں بلکہ مختلف اشیاء ہیں تو سب خوش ہو گئے تھے..... ان اونچی اور خوب صورت عمارتوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے پارک کی طرف رواں دواں تھے۔ دس منٹ کی ڈرائیو پر پارک آ گیا تھا۔

اندر داخل ہوئی تو تمام ملک سے مختلف اس پارک کو پایا تھا۔ آمنے سامنے دوکانیں جہاں مرد عورتیں بچے بوڑھے شاپنگ میں مصروف تھے..... رش اس لئے بھی تھا کہ آج اتوار کا دن تھا اور اس دن لوگ چھٹی کو مدنظر رکھ کر شاپنگ کرنا پسند کرتے ہیں۔

طرح طرح کی جیولری۔ جیولری کی دوکانیں غرض کہ اس پارک میں بہت رونق تھی۔ چیزیں خریدنے کی اتنی مہلت ہی نہیں تھی۔ اس پارک کے دائیں جانب میوزیم تھا۔ لوگ ٹکٹیں خرید کے اس کے اندر جا رہے تھے..... ہم لوگ بھی اپنے پورے وفد کے ساتھ میوزیم دیکھنے کے لیے اندر کی جانب بڑھے۔

اندر داخل ہوئی تو بڑا ہی خوبصورت عجائب گھر میرے سامنے تھا۔ یہ Vunduan Garden منگ شینشاہ کی پرائیویٹ ملکیت تھی۔ یہ چار سو سال پہلے بنا جس کا بنانے والا Yundnwn تھا۔ اس نے بڑی محنت سے اس باغ کو بنایا تھا اور چائینز میں اس کا نام Vuyuan گارڈن رکھا جس کا چائینز میں مطلب آرام اور سکون ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے کمروں اور ہال کے اردگرد مصنوعی ندی بہائی گئی تھی..... یہ ندی چاروں طرف ان ہالز کے گرد گھومتی تھی۔ جو سرکاری طور پر استعمال ہوتے تھے شہنشاہ اپنے آفیسرز کو ان ہال میں اکٹھا کر کے آڈر دیتا تھا..... وہاں سے نکل کر خوب صورت پتھروں کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور درختوں کو پیچھے چھوڑ کر ایسی جگہ پہنچی جہاں کھڑے ہو کر اس ہال کی کھڑکیوں سے ہال کا نظارہ لیتے تھے۔ اس ہال کا نام Vangshan Hall تھا اور دوسری جانب اس ہال کی خوب صورتی کو دیکھ سکتے تھے۔

مشرق کی طرف ایک کوری ڈور تھا۔ جہاں دو لوہے کے شیر بنے ہوئے تھے نر اور مادہ..... اس کوری ڈور کی زینت بنے ہوئے تھے۔ ایک جگہ Opera دیکھنے کے لیے ہال اور سٹیج بنا ہوا تھا۔ ندی ساتھ ساتھ بہتی نظر آ رہی تھی۔ کہیں درخت اور کہیں خوب صورت پودے چائینز دور کی جیتی جاگتی تاریخ تھی۔ دو بہت پرانے درخت اس تاریخ کا حصہ ہیں۔ دائیں جانب Cinkgo Tree جو ۲۱ میٹر لمبا اور کھلے ہوئے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔ یعنی اتنا تازہ معلوم ہو رہا تھا۔ یہ شہنشاہ نے خود چار سو سال پہلے لگایا تھا اور بائیں جانب ایک اور درخت تھا جو دو سو سال پرانا تھا۔ یہ Mangolian درخت تھا جو کمروں کے جنوب میں تھا۔ ان کمروں میں

اس کی خوب صورتی بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

مغرب کی جانب سے Spring Hall تھا جسے Wall of Clouds بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر بھی سرسبز درخت ندی اور اس کی کھڑکیوں سے بادلوں کا نظارہ لے سکتے تھے۔ اور شمال کی جانب ایسا ہال تھا کہ اس کا سارا عکس پانی میں اتر رہا تھا۔ وہ منظر دلفریب تھا۔ ایک راہداری کو عبور کیا اور راستے میں شیشے کے شوکیسوں میں پتھروں کے بت سجے ہوئے تھے اور پہاڑیاں الگ سے بنی ہوئی تھیں گھومتی گھماتی ایک ایسے ہال میں پہنچی۔ جہاں پرانا فرنیچر شہنشاہ کے وقت کا جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ اس میں پرانے زمانے کا قد آدم آئینہ جو لکڑی کے فریم میں کھڑا تھا۔ پرانی کرسیاں۔ سائیڈ ٹیبل اور میز پرانے وقت کی یاد دلا رہے تھے۔ اس ہال کے باہر Tower of Wanhan لکھا تھا۔ یہ فرنیچر دو سو سال پرانا تھا اور اچھی حالت میں کمرے کی زینت بنا ہوا تھا۔

دوسرا ہال جو اس کے قریب ہی تھا جہاں لکھا تھا کہ Hall - Made of roots of Banyan Eyu یہاں پر بھی فرنیچر نظر آیا تھا..... اس عجائب گھر کا فرش پرانے وقت کی اینٹوں کا بنا ہوا تھا..... سیڑھیاں بھی اسی زمانے کی یاد دلا رہی تھیں کہیں کہیں لکڑی کے دروازے پر سنہری کام ہوا تھا۔

گو کہ وفد ارشاد صاحب کے ساتھ گھوم پھر رہا تھا۔ ہنسی مذاق کرتے ہوئے ان سب کو اپنی رہنمائی میں میوزیم دکھا رہے تھے ..... عجائب گھر دیکھتے ہوئے میں نے ان کے چہروں پر بیقراری دیکھی تھی..... وہ تھی کچھ شاپنگ کرنے کی..... منہ سے تو کچھ کہہ نہیں سکتے تھے..... چیف جسٹس صاحب ان کے ہمراہ تھے وہ بھی قیامت کی نظر رکھتے تھے فوراً سمجھ گئے کہ وہ کیا چاہتے ہیں لہٰذا فوٹو کھنچوانے کے بعد وہاں سے کوچ کرنے کو کہا..... ہماری گائیڈ لڑکی نے ارشاد حسن صاحب کو کہا..... ''آپ کو ایسے ہال میں لیجاتی ہوں جہاں ہر چیز دستیاب ہے۔'' انہوں نے اس لڑکی کی تعریف کی اور وہ پانچ منٹ کی ڈرائیو پر ایک مہنگے شاپنگ پلازہ میں لے گئی..... وہاں واقعی دنیا کی ہر چیز موجود تھی۔ خوب صورت آرٹی فیشل پھول، جوتے، پرس، میک اپ، سجاوٹ کی اشیاء غرض کہ جیولری..... لیکن اکثر سنا کرتی تھی کہ چائنیز چیزیں چائنہ میں بہت سستی ہوتی ہیں مگر میں حیران تھی کہ لندن اور امریکہ کے مقابلے میں یہ چیزیں جو کہ بہت عمدہ نہیں نہایت ہی مہنگی ہیں..... کوئی چیز سستی نہیں لگ رہی تھی۔

ایک آرٹی فیشل پھولوں کی دوکان پر نادرہ بھابھی نے چند پھول خریدے اور مجھے بھی خریدنے کے لیے کہے تو ان کے کہنے کے مطابق میں نے بھی پھول خرید لئے..... جن کی قیمت امریکہ سے خریدی چیزوں کے مطابق تھی..... ہمارے وفد میں فقیر حسین نے خوب صورت کرسٹل کی پلیٹ۔ دیدار شاہ نے اپنی مرضی کی چیزیں بچوں کے لیے خریدیں۔ اسی طرح افتخار صاحب نے بھی لیں مگر

سیکرٹری فقیر محمد کھوکھر نے کچھ بھی نہ خریدا جب ہم لوگ گاڑیوں میں بیٹھنے لگے تو میں نے پوچھا بھائی آپ نے خریداری کیوں نہیں کی ہے'' وہ مسکرائے اور بتانے لگے'' دراصل چیزیں اتنی مہنگی ہیں کہ لینے کو جی ہی نہیں کرتا..... پاکستان جاؤں گا تو کچھ نہ کچھ بچوں کے لیے اور اہلیہ کے لیے لے جاؤں گا۔'' مگر بھائی یہاں کی کوئی چیز سوغات تو لے جانی تھی..... مسکراتے ہوئے'' پاکستان بھرا پڑا ہے ان چیزوں سے'' ریاض نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

'' کھوکھر سیانا ہے..... روپیہ جمع کر رہا ہے..... وطن جا کر خوب خریداری کرے گا۔''

ارشاد بھائی پاس ہی کھڑے تھے انہوں نے ریاض کی بات پر قہقہہ لگایا تو ساتھی سب لوگ مسکرانے لگے ..... کھوکھر صاحب خوش باش اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ وہ واقعی ہی خفیہ شاپنگ کرنا چاہتے تھے۔ تین بجے ہماری فلائٹ تھی۔ ہوٹل پہنچنا ضروری تھا..... ہوٹل کوئی زیادہ دور نہیں تھا دس منٹ کی ڈرائیو پر ہوٹل آ گیا تھا۔ یہ ہوٹل ڈاؤن ٹاؤن کی شاندار عمارتوں میں گھرا ہوا تھا۔ اعلیٰ سونے کے کمرے..... خوب صورت دیدہ زیب فرنیچر سے آراستہ لابی بھی جہاں آپ بیٹھ کر گھڑی دو گھڑی آرام کر سکتے ہیں..... عین اس کے سامنے دو لفٹیں لگی ہوئی تھیں..... جو اوپر کمروں تک پہنچاتی تھیں..... ریسپشن پر لڑکیاں اور لڑکے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ طے یہ پایا کہ ٹھیک بارہ بجے ۱۲ ویں منزل پر سب کھانے کے لیے پہنچ جائیں گے .....جو خریداری کی ہے وہ اور اپنا سامان چیک کر کے کمروں میں چھوڑ آئیں..... پونے بارہ بجے کا وقت تھا۔ میں پھولوں کا گلدستہ جو کہ اس پلازہ سے خریدا تھا وہ لے کر اوپر چلی گئی تھی..... جلدی جلدی سامان پیک کیا اور میاں کے ساتھ بارویں منزل پہنچ گئی۔

وہاں پر سب سے چھوٹے کمرے میں جہاں گول میز لگا ہوا تھا اپنی اپنی سیٹوں پر براجمان تھے..... ہمارے گائیڈ جو کہ چائنیز تھے ان کو جب اپنی مشکلات کھانے پینے کے بارے میں بتائی تھی تو وہ روزانہ ہمارے لئے فش، سبزیوں کا سوپ اور سبزیوں سے تیار کردہ عمدہ ڈیشیز سے تواضع کرتے تھے..... آج بھی کھانا اچھا تھا..... سب نے رغبت سے کھایا تھا۔

آج دوبارہ بیجنگ جا رہے تھے..... اسی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنا تھا ائیرپورٹ پر پریزیڈنٹ ٹین یی لون High Peoples Court ہمیں رخصت کرنے کے لیے پہنچے ہوئے تھے..... بڑی عزت و احترام کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے چیف جسٹس ارشاد حسن خان کو بڑے اچھے لفظوں میں الوداع کہتے ہوئے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

خدا یہ دوستی ہمیشہ قائم رکھے..... پھر فردا فردا سب سے ملے..... شنگھائی ایئرپورٹ پر سامان پہلے سے ہی بک ہو گیا تھا

..... بورڈنگ کارڈ ملتے ہی ہمیں جہاز میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ اس طرح ہمارا سفر شنگھائی سے بیجنگ تک سیدھا تھا۔

رات کو شہناز نے اپنے گھر پاکستانی ڈنر دیا ہوا تھا اور ان لوگوں کی شاپنگ بھی اس نے ان کے حوالے کرنی تھیں جو ان کی غیر موجودگی میں شہناز نے کی تھی۔

شام کے وقت سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے تھے..... تھوڑا سا وقت مل گیا تھا۔ سفیر پاکستان کے گھر جانے کے لیے ..... آج سارے وفد کو کھانے کے لیے بلایا ہوا تھا..... دوسرے دن ہماری پاکستان کے لیے روانگی تھی جونہی ان کے گھر داخل ہوئے تو دونوں میاں بیوی نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آج سارا دن کچن میں مصروف رہی تھیں اور ڈھیر ساری چیزیں بنا ڈالی تھیں۔

اور کھانا کھلانے سے پہلے دیدار شاہ اور فاروق قاضی اور فقیر حسین اور افتخار چوہدری کے لیے جو شاپنگ کر کے لائی تھیں۔ وہ تمام چیزیں ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں۔

ہر ایک کی شاپنگ اور حساب کے مطابق روپے واپس کر رہی تھیں..... سب لوگ بیحد خوش تھے..... چلو بیٹھے بیٹھائے اگر بازار نہیں جا سکے تو ہماری شاپنگ شہناز بہن نے کر لی..... سب بے انتہا ممنون تھے۔ شہناز کی شخصیت بھی کمال کی تھی ..... پھرتیلی خاتون منٹوں میں شاپنگ کرنے والی تھیں..... نہ صرف اچھا کھانا کھلایا بلکہ سب کو ممنون کر دیا خریداری کر کے۔

بوفے..... کاؤنٹر پر سجا تھا..... مختلف ڈشیز تھیں..... کھانا بہت عمدہ تھا..... بالکل پاکستانی طرز کا بنا ہوا تھا..... دو چینی ویٹر سروس میں مصروف تھے..... کھانے کے ساتھ ساتھ دونوں میاں بیوی Xian اور شنگھائی کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے کہ ٹرپ کیسا رہا..... ارشاد حسن خاں اور تقریباً سب نے کہا ''کام کے ساتھ ساتھ ہم نے انجوائے بھی خوب کیا ہے۔''

شہناز ہمارے قریب میز پر اور ریاض کھوکھر مرد حضرات کے قریب بیٹھے ہوئے بات چیت میں مصروف تھے..... اتنے دنوں کے بعد اتنا اچھا کھانا نصیب ہوا تھا بڑے شوق سے کھایا اور میٹھے کے بعد سبز قہوہ پیش کیا گیا تھا..... چینی ویٹر بڑے چاک و چوبند تھے..... شہناز بتا رہی تھی کہ امریکی ۱۰۰ ڈالر میں آپ اچھا ملازم رکھ سکتے ہیں..... میں نے سن کر کہا ''۱۰۰ ڈالر تو باہر کے حساب سے کچھ بھی نہیں تھے..... امریکہ میں ہفتے میں ایک دن ملازمہ گھر کی صفائی کے لیے آتی ہے تو وہ ۸۰ ڈالر لے جاتی ہے''..... شہناز نے پوچھا کس کے گھر آتی ہے۔ میری بیٹی کے گھر ملازمہ آتی ہے..... آپ تو خوش قسمت ہیں۔''

''بس اللہ کا کرم ہے..... نوکر کی دیار غیر میں سہولت ہے''..... یہ کہتے ہوئے شہناز ہمیں دوبارہ ڈرائینگ روم میں لے گئی تھی کافی دیر تک ہم آپس میں گفت و شنید کرتے رہے تھے..... شہناز کی بیٹی سارا بھی آج گھر میں ہی موجود تھی بلکہ مجھ سے

باتیں کررہی تھی۔

شہناز نے میری بہواور مجھے تحفہ دیتے ہوئے کہا۔

آپ چین کی سوغات لے جائیں..... خوب صورت سفید پرل کی مالاتھی اور نادرہ بھابھی کوسوئیٹر تحفے میں دیا..... ہم نے لاکھ منع کیا مگر شہناز نے زبردستی دیتے ہوئے کہا۔

تحفہ قبول کیا جاتا ہے..... واپس نہیں..... اس کی اس بات سے میں لاجواب ہوگئی تھی۔

کافی دیر باتیں ہوتی رہیں..... صبح روانگی تھی اور ہم نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے کوچ کیا..... واپس سٹیٹ گیسٹ ہاؤس آ کر آپریٹر کو صبح سویرے اٹھانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

صبح ناشتے کے بعد مرد حضرات ٹمپل آف ہیون دیکھنے کے لیے جارہے تھے..... یہ میوزیم ہم دیکھ چکے تھیں نادرہ بھابھی آرام کرنا چاہتی تھیں..... جونہی سب لوگ میوزیم کے لیے گئے تھے میں نیچے اتر کر چہل قدمی کرنے لگی تھی۔

سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کے دائیں جانب ہینڈی کرافٹ کی دوکان تھی..... میں اس کے اندر داخل ہوئی..... دوکان کیا تھی بہت بڑا شوروم تھا..... جہاں چائینز سلک کے کپڑے شوکیسوں میں ڈسپلے کئے ہوئے تھے..... چائینز قالین۔ چائینز پھول دان..... وہ پھول دان جو ہر عشائیہ پر میں کونے میں سجے دیکھتی تھی ان کی لمبائی تقریباً سات فٹ اور چوڑائی چھ فٹ سے کم نہیں تھی..... اپنے ملک میں اس قسم کے پھول دان میں نے نہیں دیکھے تھے۔

یہ دوکان شاہی خاندانوں کے لیے تھی۔ پاکستانیوں کے لیے نہیں..... وہی سلک جو کہ راولپنڈی چائنہ مارکیٹ میں سستے داموں ملتی تھی وہ امریکن ۱۲ ڈالر گز مل رہی تھی..... وہاں ایک گز خریدنا اور ۱۲ ڈالر میں آپ پاکستان میں سارا سوٹ خرید سکتے ہیں۔ میری سمجھ سے باہر تھا..... کہ کوالٹی بھی وہی اور کپڑا بھی وہی مگر دام اتنے زیادہ..... اسی طرح سجاوٹ کی چیزیں بھی اتنی ہی مہنگی تھیں..... کوئی شے سستی نہیں تھی..... وہاں کے منیجر سے میں نے ملاقات کی جو انگریزی اچھی بول سکتا تھا۔

''یہ چیزیں ہمارے ملک میں بہت سستی ہیں مگر یہاں پر اتنی کیوں مہنگی ہیں۔''

''میڈم ایک تو ہماری دوکان کا کرایہ بہت ہے..... پھر بہترین کوالٹی چائنہ کی چیزوں کی آپ کو یہاں سے ہی ملے گی..... فرق ضرور ہوگا۔''

اس نے اتنے وثوق سے کہا کہ کچھ مزید سننے کی گنجائش نہیں تھی۔

وہاں پر کافی سیاح شاپنگ کے لیے مصروف تھے۔اس دوکان کا دروازہ باہر سڑک کی جانب بھی کھلتا تھا اور لوگوں کو باہر آنے کے لیے اجازت نہیں لینی پڑتی تھی ایک چھوٹا سا پھول دان..... اس کی قیمت پوچھی تو اس نے امریکی ۲۰ ڈالر بتائے۔

غرض کہ کوئی شے سستی نہیں تھی..... میں ونڈو شاپنگ کر کے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کی جانب چل پڑی تھی..... موسم قدرے خنک ہو گیا تھا..... چین میں آخری دن تھا..... پھول اور سبزہ ہوا کے ہلکوروں سے جھوم رہا تھا..... کھانے پر سب نے اکٹھے ہونا تھا..... کیونکہ پاکستان جانے کے لیے ہماری فلیٹ ۶ بجے شام تھی مگر ہم نے چار بجے جانا تھا..... اس سے پہلے ان کا انٹرویو The Media With تھا..... آپس میں خیالات ایک دوسرے کے ساتھ ایکسچینج کرنے تھے مگر وہ میٹنگ کینسل ہو گئی تھی۔

میں باہر گھومتی گھماتی آب شار کے پاس آئی تو یہاں پر خاموشی تھی..... چارسو..... سناٹا ہی سناٹا تھا..... شاید ہم رخصت ہو رہے تھے۔

دوپہر کے وقت چیف جسٹس ارشاد حسن خاں نے سارے لفافے ان ویٹرز کو دینے کے لیے تیار کروائے جو اتنی پھرتی سے ہماری خدمت خاطر کرتے رہے تھے۔

لنچ بھی خاموشی کے ساتھ سب نے کھایا..... آج سب کے چہروں پر رونق تھی۔آج جانے کا دن جو تھا..... وہ شاہی محل تھا مگر جو سکون اپنے گھر میں میسر آتا ہے وہ کہیں بھی نہیں..... میں اور نادرہ بھابھی اوپر سامان لینے کے لیے پہنچیں جو تھوڑی بہت پیکنگ رہتی تھی وہ جلدی جلدی کی..... ہم لوگ پونے چار بجے ہی نیچے پہنچ گئے تھے۔

ویٹر لڑکیاں اور لڑکے دس بارہ تھے وہ لائین کی صورت میں الوداع کہہ رہے تھے ہم نے ان کا بھی بھرپور شکریہ ادا کیا .....چیف جسٹس ارشاد حسن خان صاحب نے ہر ایک کو ٹپ کا لفافہ دیا..... لڑکیاں لفافہ ملتے ہی شکریہ ادا کر رہی تھیں .....لڑکے بھی خوشی خوشی الوداع کرتے ہوئے شکریہ ادا کر رہے تھے..... بیجنگ سے اسلام آباد کے لیے گاڑیاں چل پڑی تھیں۔

ائیر پورٹ پر چیف جسٹس Mr Xiao Yang Chief Justic اینڈ پریذیڈنٹ سپریم پیپلز کورٹ آف چائنہ اور ان کے ہمراہ سپریم کورٹ کے جج ہمیں الوداع کرنے کے لیے آئے تھے..... وہ چیف جسٹس آف پاکستان کے مشکور تھے کہ انہوں نے اپنے وفد کے ساتھ چین آ کر ہماری دوستی کو قائم رکھا۔

چیف جسٹس ارشاد حسن اور ان کے وفد نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

ہمیں جو عزت افزائی ملی ہے ہم اس کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں یہ دوستی اور بھی پختہ ہوگی..... اسی طرح چیف جسٹس آف چین نے فرداً فرداً سب سے ہاتھ ملایا اور کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہاں سے اٹھے..... جب تک ہم فلیٹ پر نہیں بیٹھے تھے وہ ہمارے قریب بیٹھے رہے تھے۔

بورڈنگ پاس ہمارے ہاتھ میں تھے وقت اتنا قلیل تھا کہ ڈیوٹی فری شاپ سے کچھ خاص چیزیں نہ خرید سکی تھی..... بیجنگ کی ڈیوٹی فری شاپ سے گزرتے ہوئے نگاہ ڈورائی تو اسی قسم کا نمونہ تھا جو لندن امریکہ کی ڈیوٹی فری شاپ کا ہوتا ہے..... بسکٹ' چاکلیٹ' میک اپ..... جوتے..... جیولری غرض کے سبز چائے..... لپٹن چائے..... نہ جانے کیا کچھ تھا..... مگر ہمارا وفد آگے نکل گیا تھا۔ میں اور نادرہ بھابھی ان کے پیچھے چلتے ہوئے جہاز تک پہنچ گئیں۔

بورڈنگ کارڈ دکھا کر ہم لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے۔ جہاز کچھ لیٹ ہو گیا تھا..... مگر جونہی چلا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ خیریت سے وطن واپس پہنچ رہے ہیں۔

◆◆◆